دنیا کا مُحسن

از
سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ ھُوَ النَّاصِرُ

دنیا کا محسن

(فرمودہ ۱۷ جون ۱۹۲۸ء بر موقع جلسہ منعقدہ قادیان)

قُلْ اِنَّ صَلاَتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔[1]

جلسہ کی غرض

آج کا جلسہ اس غرض کے لئے منعقد کیا گیا ہے کہ ہمارے ملک میں وہ رواداری اور وہ ایک دوسرے کے احساسات کا ادب و احترام پیدا ہو جس کے بغیر نہ خدا مل سکتا ہے اور نہ دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ ہمیں جو تعلیم دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم تمام ادیان کے بزرگوں اور ہادیوں کا ادب و احترام کریں۔ تمام وہ لوگ جن کو ان کی قومیں خدا کی طرف سے کھڑا کیا گیا تسلیم کرتی ہیں۔ تمام وہ لوگ جن کے متبعین کی جماعتیں پائی جاتی ہیں۔ جو انہیں خدا کا مُرسل اور مأمور، اوتار یا بھیجا ہوا تسلیم کرتی ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی عزت کریں۔ ان کی ہتک سے اجتناب کریں۔ اور اس تعلیم کے ماتحت ہم ہمیشہ ہی مختلف اقوام کے بزرگوں اور ان کے مذہب کے بانیوں کا ادب و احترام کرتے رہے ہیں۔ ہم یہودیوں کے بزرگوں کا ادب کرتے ہیں۔ ہم عیسائیوں کے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں۔ ہم چینیوں کے بزرگوں کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہم جاپانیوں کے بزرگوں کا ادب کرتے اور ہم اپنے ابنائے وطن ہندوؤں کے بزرگوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کرتے ہیں۔ اپنی کسی نفسانیت کی وجہ سے نہیں کرتے کسی ذاتی فائدہ اور غرض کے لئے نہیں کرتے بلکہ واقعہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے اور دنیا کے لئے مأمور سمجھ کر کرتے

ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں' دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگ جب سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کریں گے تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کا قیام خواہ روحانی لحاظ سے ہو اور خواہ جسمانی لحاظ سے اسی پر ہے کہ اپنے خیالات اور اپنی زبانوں پر قابو رکھا جائے اور ایسے رنگ میں کلام کیا جائے کہ تفرقہ اور شقاق نہ پیدا ہو۔

شملہ میں برہمو سماج کا جلسہ

میں پچھلے سال شملہ گیا۔ ان دنوں رام موہن رائے صاحب جو کہ کلکتہ کے بہت بڑے آدمیوں میں سے گذرے ہیں۔ ان کی برسی تھی اور شملہ میں برہمو سماج کی طرف سے جلسہ ہونا تھا۔ مسز نائیڈو [۲] جو کہ ایک ہندو لیڈر ہیں۔ بڑی بھاری شاعرہ ہیں اور گاندھی جی کی طرح ہندواور مسلمانوں میں ادب و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں اور بہت اثر رکھنے والی ہستی ہیں' وہ مجھے ملنے کے لئے آئیں۔ انہوں نے ذکر کیا کہ رام موہن رائے کی برسی کا دن ہے اور برہمو سماج نے جلسہ کیا ہے کیا یہ اچھا نہ ہو گا کہ آپ بھی اس جلسہ میں چلیں اور تقریر کریں۔ گو میں نے برہمو سماج کے متعلق کچھ لٹریچر پڑھا ہوا تھا مگر مجھے رام موہن رائے صاحب کی ذات کے متعلق زیادہ واقفیت نہ تھی۔ اس لئے میں حیران سا رہ گیا۔ لیکن معاً میرے دل میں خیال آیا کہ خواہ ان کے ذاتی حالات سے کتنی ہی کم واقفیت ہو مگر اس میں کیا شُبہ ہے کہ انہوں نے شرک کو مٹانے کی ایک حد تک کوشش کی ہے۔ تب میرا انشراح صدر ہو گیا اور میں نے کہا میں اس جلسہ میں آؤں گا۔ چنانچہ میں وہاں گیا۔ مسٹر ایس۔ آر۔ داس جو وائسرائے کی کونسل کے قانونی ممبر ہیں' وہ اس جلسہ کے پریذیڈنٹ تھے اور بھی بہت سے معزز لوگ وہاں موجود تھے مسز نائیڈو بھی تھیں۔ سر حبیب اللہ بھی تھے۔ اتفاق ایسا ہوا اور وہاں کی سوسائٹی کے لحاظ سے یہ کوئی عجیب بات نہ تھی کہ سامعین کا اکثر حصہ اردو نہ جانتا تھا۔ مسز نائیڈو نے مجھ سے پوچھا۔ کیا آپ انگریزی میں تقریر کریں گے۔ میں نے کہا۔ انگریزی میں تقریر کرنے کی مجھے عادت نہیں۔ ولایت میں لکھ کر انگریزی تقریر کرتا رہا۔ مگر زبانی مختصراً چند الفاظ کہنے کے سوا باقاعدہ تقریر کا موقع نہیں ملا۔ مسز نائیڈو نے کہہ دیا اردو میں ہی تقریر کریں۔ لیکن چونکہ پریذیڈنٹ صاحب بالکل اردو نہ سمجھتے تھے اور حاضرین میں سے بھی ۹۰ فیصدی بنگالی تھے جو اردو نہ جانتے تھے' اس لئے میں نے تقریر نہ کی اور اس وجہ سے تقریر رہ گئی مگر میں تیار تھا۔ دراصل کسی کی خوبی کا نظر آنا بینائی پر دلالت کرتا ہے۔ اور خوبی کو نہ دیکھ سکنا نابینائی کی علامت ہوتی ہے اور اسلام ہمیں

حکم دیتا ہے کہ کسی کی خوبی کا انکار نہ کرو۔ اور دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی تعظیم و تکریم کرو۔

جلسہ میلاد

میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے متعلق مسلمانوں میں جلسے ہوتے ہیں مگر وہ خاص مذہبی رنگ کے ہوتے ہیں جیسے مولود کے جلسے۔ ان میں غیر مسلموں کے متعلق یہ امید رکھنا کہ وہ شامل ہوں۔ بہت بڑی بات ہے ان سے یہ امید تو کی جا سکتی ہے کہ وہ بانیٔ اسلام کی خوبیاں سننے کے لئے آ جائیں۔ مگر یہ کہ کسی جلسہ میں مذہبی رسوم کی پابندی بھی کریں' یہ امید نہیں کی جا سکتی۔ وہ انسانی' علمی اور اخلاقی نقطۂ نگاہ سے تو ایسے جلسوں میں شامل ہو سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے متعلق کئے جائیں۔ مگر مذہبی نقطۂ نگاہ سے نہیں شامل ہو سکتے۔

ہندو مسلم اتحاد کی تجویز

پس میں نے سمجھا کہ ہندو اور مسلمانوں میں جو بُعد بڑھتا جاتا ہے۔ اسے روکنے کا یہی طریق ہے کہ ایسے جلسے کئے جائیں۔ جن میں رسول کریم ﷺ کے متعلق مذہبی حیثیت سے جلسہ نہ کیا جائے' بلکہ علمی حیثیت سے جلسہ کیا جائے۔ اگر لوگ دوسرے مذاہب کے لیڈروں کی خوبیاں دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خوبیاں وہ نہ دیکھ سکیں۔ ایسے جلسوں میں غیر مسلم لوگ بھی شامل ہو سکتے ہیں اور اس طرح وہ خلیج جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے دور ہو سکتی ہے۔ اور ہندو، مسلمانوں میں صلح ممکن ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں خود مسلمانوں کو بھی رسول کریم ﷺ کے حالات معلوم ہونے سے عقیدت اور اخلاص پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر دوسرے مذاہب کے لوگ جب آپ کے صحیح حالات سنیں گے تو وہ ایسے لوگوں کو جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں روکیں گے۔

تحریک کی کامیابی

یہ تحریک خدا کے فضل سے ایسے رنگ میں کامیاب ہوئی ہے کہ جو ہماری امیدوں سے بڑھ کر ہے۔ مثلاً کلکتہ میں بڑے بڑے لیڈروں نے جیسے بپن چندر پال جو گاندھی جی سے پہلے بہت بڑے لیڈر سمجھے جاتے تھے اور سی۔ پی رائے وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی نے ایسے جلسہ کے اعلان میں اپنے نام لکھائے یا لیکچر دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ اسی طرح اور کئی لیڈروں نے اپنے نام پیش کئے ہیں۔ مدراس کے ایک ہندو صاحب نے کئی ضلعوں میں ایسے جلسے کرانے کا ذمہ لیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہندوستان میں امن قائم

کرنے کے لئے یہ بہت قیمتی چیز ہمیں مل گئی ہے۔ پھر درخواست کی ہے کہ ہر سال ایسے جلسے ہونے چاہئیں۔ اسی طرح تھیوسافیکل سوسائٹی نے مدراس میں جلسہ کرانے کا ذمہ لیا ہے۔ پھر لاہور میں بڑے بڑے آدمیوں نے اس جلسہ کے اعلان پر دستخط کئے ہیں جیسے لالہ دنی چند صاحب جو بہت بڑے کانگریسی لیڈر ہیں۔ پھر سکھوں کے بہت بڑے لیڈر سردار کھڑک سنگھ صاحب نے کہا ہے کہ اگر اس دن مَیں امرتسر میں ہوا تو وہاں کے جلسہ میں اور اگر سیالکوٹ میں ہوا تو اس جگہ جلسہ میں شامل ہوں گا۔

غرض اس تحریک کو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم قوموں نے بھی احترام کی نظر سے دیکھا ہے اور نہ صرف احترام کی نظر سے دیکھا ہے بلکہ خواہش کی ہے کہ ایسے جلسے ہمیشہ ہونے چاہئیں تاکہ تفرقہ دور ہو اور میں سمجھتا ہوں اگر اس سال یہ تحریک کامیاب ہوئی تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ امن قائم کرنے کے لئے نہایت مفید تحریک ہے۔ اور آئندہ ہر قوم اسے زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کی کوشش کرے گی۔ پس اس تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ ہم اس مقصد کو پالیں جو کہ ایک ہی جیسا ہندوؤں کو بھی پیارا ہے۔ اور مسلمانوں کو بھی ہے اور وہ ہندوستان کا امن اور ترقی ہے۔

۱۷ جون کے لیکچروں کی بنیاد

اس تمہید کے بعد میں اپنے مضمون کی طرف آتا ہوں۔ میں نے اس وقت ایک آیت پڑھی ہے جو یہ ہے۔ **قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ** ۔ اس آیت میں رسول کریم ﷺ کا وہ دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ جس پر میں نے آج کے لئے لیکچر رکھے ہیں۔ آج کے لیکچر کے میں نے تین موضوع قرار دیئے ہیں۔

(۱) رسول کریم ﷺ کے احسانات

(۲) رسول کریم ﷺ کی قربانیاں

(۳) رسول کریم ﷺ کا تقدس

اس آیت میں یہ تینوں امور ہی بیان کئے گئے ہیں۔ گویا یہ ہیڈنگ (HEADING) میں نے اپنے پاس سے نہیں رکھے بلکہ قرآن کریم نے پیش کئے ہیں۔ رسول کریم ﷺ سے خدا تعالیٰ نے کہلایا ہے کہ تیرے ذریعہ دنیا پر احسان کئے گئے ہیں۔ تجھ سے دنیا کے لئے

قربانیاں کرائی ہیں اور تجھ کو پاک کیا گیا ہے۔ **صَلٰوۃ** کے معنی دعا اور رحمت کے ہیں۔ پس اس کے معنی نیک سلوک اور احسان کے ہوئے۔ **نُسُک** کے معنی ذبح کر دینے کے ہیں۔ پس اس کے معنی سزا دینے کے ہوئے۔ **مَحْیَایَ** یعنی زندگی ذاتی آرام اور آسائش اور **مَمَاۃ** یعنی موت ذاتی قربانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس اس آیت میں یہ بتایا کہ کہو میری عبادت یا میرا لوگوں سے حسن سلوک (یہ بھی صلوٰۃ کے معنی ہیں) اور میرا قربانیاں کرنا اور میری اپنی زندگی اور اپنی موت یہ سب خدا ہی کے لئے ہے۔ پہلی چیز جو **صَلَاتِیْ** ہے۔ اس میں لوگوں پر احسان کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ یعنی فرمایا میرے ذریعہ لوگوں پر احسان ہوئے ہیں۔ دوسرے **نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ** میں بتایا کہ میرا مارنا یا مرنا یعنی قربانی کرنا یہ بھی خدا ہی کے لئے ہے۔ اس آخری جملہ میں تقدّس کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ تقدّس کے معنی پاک ہونے کے ہیں اور جو چیز خدا کے لئے ہوگی۔ وہ پاک نہ ہوگی تو اور کونسی پاک ہوگی پس اس آیت میں تینوں باتیں بیان کر دی گئی ہیں۔ ایک تو اس آیت میں دعویٰ بیان کیا گیا ہے۔ اور دوسرے گر بھی بتا دیا ہے کہ احسان اور قربانی اور تقدّس کی دلیل کیا ہوتی ہے۔

ایک خاص گُر

اس آیت میں یہ گُر بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے احسان یا قربانی یا تقدّس کو دیکھتے وقت اس کے اعمال کے ٹکڑوں کو نہ لینا چاہئے بلکہ تمام زندگی پر نظر کرنی چاہئے۔ اور اس کے اعمال کے مقصد کو دیکھنا چاہئے صرف سزا کو دیکھ کر یہ خیال کر لینا کہ یہ شخص ظالم ہے' درست نہیں۔ یا کسی تکلیف دہ عمل کو دیکھ کر یہ سمجھنا کہ یہ شخص ظالم ہے صحیح نہیں۔ کسی کو سزا دیتے ہوئے دیکھ کر کوئی کہے کہ یہ کتنا بڑا ظالم ہے' تو بسا اوقات وہ اس کے متعلق رائے قائم کرنے میں غلطی کر جائے گا۔

استاد کے بید

مثلاً ہمارے سامنے اس وقت مدرسہ کی عمارت ہے۔ یہاں سے ایک شخص گذرے اور دیکھے کہ ہیڈ ماسٹر ایک لڑکے کو بید لگا رہا ہے اور وہ کہے یہ کتنا بڑا ظلم ہو رہا ہے تو یہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر استاد کسی لڑکے کی شرارت پر اسے سزا نہ دے گا تو اس لڑکے کے ماں باپ کو حق ہوگا کہ وہ کہیں استاد نے اُن کے لڑکے کو آوارہ کر دیا ہے اور اس کی اصلاح نہیں کی۔ اور ممکن ہے کہ لڑکا خراب ہو کر کہیں کا کہیں چلا جائے۔ مثلاً لڑکے نے چوری کی یا امتحان میں نقل کی یا کوئی بدکاری کی۔ اب اگر پیار و محبت سے سمجھانے پر وہ نہیں سمجھتا اور شرارت میں بڑھتا جاتا ہے۔ جس پر استاد اسے سزا دیتا ہے۔ تو یہ ظلم نہیں ہوگا

بلکہ اس سے محبت اور ہمدردی ہوگی۔ پس دیکھنا یہ ہوگا کہ استاد نے لڑکے کو مارا کیوں ہے۔ صرف بید لگتے دیکھ کر یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اس پر ظلم کیا گیا ہے۔

اسی طرح کسی گھر میں کوئی ماں یا باپ ایسا نہ ہوگا۔ جس نے کبھی اپنے بچے کو جھڑکا نہ ہو یا تنبیہہ نہ کی ہو یا مارا نہ ہو۔ مگر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سب ماں باپ ظالم ہوتے ہیں وہ اپنے بچوں پر ظلم نہیں کرتے بلکہ ان سے پیار اور محبت رکھتے ہیں۔ اور ان کی اصلاح کے لئے جب ضرورت سمجھتے ہیں سزا بھی دیتے ہیں۔

ڈاکٹر کا نشتر

اسی طرح کوئی شخص ہسپتال کے پاس سے گذرے اور دیکھے کہ ڈاکٹر نے نشتر نکالا ہوا ہے اور ایک شخص کے جسم کو چیر رہا ہے۔ تو اسے کوئی عقلمند آدمی ظلم نہ کہے گا۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ کیوں چیرا دیا گیا ہے۔ اگر ڈاکٹر چِیرا دے کر پیپ نہ نکالتا یا گندے حصہ کو جُدا نہ کرتا تو وہ شخص مرجاتا۔ پس اگر ڈاکٹر کسی کے زخم سے پیپ نکالتا ہے یا اس کے پیٹ کو چیر کر پتھری نکالتا ہے۔ یا اس کا کوئی دانت نکالتا ہے۔ یا بعض دفعہ اس کا ہاتھ یا پاؤں یا ناک یا کان کاٹتا ہے تو وہ ظلم نہیں کرتا' بلکہ رحم کرتا ہے۔ اور جو شخص یہ دیکھے گا کہ ڈاکٹر اس قسم کا کام کر رہا ہے۔ وہ یہی کہے گا کہ اس نے احسان کیا ہے اور اس کے احسان ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ لوگ خود ڈاکٹروں کے پاس جاتے اور بڑی بڑی رقمیں دے کر اپنا ہاتھ یا پاؤں یا کوئی اور حصہ کٹواتے ہیں۔ اگر یہ رحم اور احسان نہ ہوتا تو روپیہ اس کے بدلے میں دے کر کیوں ایسا کراتے۔ کیا کبھی کوئی اپنے پاس سے روپیہ دے کر بھی سزا لیا کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ پر الزام

پس دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کسی فعل کا مقصد کیا ہے۔ اس کی غرض فائدہ پہنچانا ہے یا تکلیف دینا اور صرف سزا کو دیکھ کر یہ کہنا کہ ظلم کیا گیا ہے درست نہیں ہے۔ ورنہ دنیا کے سارے مجسٹریٹ' سارے استاد' سارے ماں باپ' سارے ڈاکٹر ظالم قرار دینے پڑیں گے۔ بلکہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا کو بھی ظالم کہنا پڑے گا کیونکہ ہم روز دیکھتے ہیں کہ وہ ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی جان نکالتا ہے۔ وبائیں آتی ہیں' طوفان آتے ہیں' اگر صرف کسی تکلیف دہ فعل کو دیکھ کر اسے ظلم قرار دینا درست ہو سکتا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ خدا بھی ظالم ہے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ کے ایسے فعل کی کوئی حکمت ہوتی ہے۔ مثلاً یہی کہ ایک قوم کے نزدیک وہ پچھلے جنم کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے یا ایک دوسری قوم کے نزدیک گناہوں سے بچانے کے لئے ہوتا ہے۔ یا اگلے جہان میں ترقی دینے کے

لئے ہوتا ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ ہر سزا کو دیکھ کر اسے ظلم نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو سزا آتی ہے، چاہے اسے تناسخ کا نتیجہ سمجھو، چاہے اس دنیا کی زندگی کے اعمال کی جزا سمجھو، چاہے تنبیہہ کے طور پر سمجھو، چاہے ترقی کا ذریعہ سمجھو۔ مگر بہرحال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ ظلم نہیں ہے بلکہ رحم ہے۔ اور انسان کے فائدہ کے لئے ہے۔

غرض کسی انسان کے فعل میں کوئی سختی یا سزا یا موت یا قتل کا پایا جانا ظلم نہیں ہوتا۔ ظلم اس وقت ہوتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ محبت اور شفقت، ہمدردی اور خیر خواہی کے طور پر نہیں بلکہ انتقام اور بدلہ لینے کے لئے سزا دی گئی ہے۔ اگر غصہ اور بے پرواہی، بدلہ اور لذّتِ انتقام کے لئے سزا دی جائے تو یہ فعل یا تو عبث ہوگا اور یا ظالمانہ کہلائے گا۔ لیکن اگر فعل کی غرض رضائے الٰہی، اصلاحِ نفسِ سزا یافتہ یا حفاظتِ حقائقِ ازلیہ ہو، تو یہ فعل بُرا نہ ہوگا۔

مذہبی لیڈروں کا لڑائی میں حصہ لینا

چنانچہ ہم کہتے ہیں جتنے بڑے بڑے مذہبی لیڈر ہوتے ہیں، انہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں لڑائی میں حصہ لیا ہے۔ رامچندر جی نے لڑائی میں حصہ لیا۔ انہوں نے راون پر جو حملہ کیا اور اسے تباہ کیا یہ درست تھا کیونکہ وہ سبق دینا چاہتے تھے کہ کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہئے۔ ان کے اس مقصد کو دیکھ کر ہر عقلمند ان کے اس فعل کو درست کہے گا اور ان کی تعریف کرے گا۔ اسی طرح کرشن جی نے لڑائی میں حصہ لیا۔ لڑائی کرنے کی پر زور تحریک کی اور گیتا میں اس بات پر بڑا زور دیا کہ لڑائی کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اور اچھے اغراض کے ماتحت لڑائی کرنا منع نہیں ہے۔ اور بتایا ہے کہ کرشن جی لڑائی کی تحریک خدا کے لئے ہی کر رہے تھے۔ اس لئے ان کا فعل اچھا تھا بُرا نہ تھا۔

اسی طرح دوسرے مذاہب میں بھی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لڑائی کا موقع نہیں ملا۔ مگر ان کے بعد میں آنے والے پیرؤوں نے لڑائیاں کیں اور حق کے لئے کیں۔ پس جو کام دنیا کی اصلاح اور فائدہ کے لئے کیا جائے اور نیکی نیتی سے کیا جائے، جائز حد تک کیا جائے، وہ برا نہیں ہوتا بلکہ اچھا ہوتا ہے۔

رحم کس حال میں اچھا ہے

یہی حال رحمت کا بھی ہے۔ رحم بھی اسی وقت اچھا ہوتا ہے جب کہ نیک نیتی اور نیک ارادہ سے کیا جائے۔ مثلاً ایک

شخص کے پاس کسی کا لڑکا ہو جو روز بروز خراب ہوتا جائے۔ مگر وہ اسے کچھ نہ کہے اور کسی بُرائی سے نہ روکے تو کوئی شخص اسے اچھا نہ کہے گا۔ ہر ایک یہی کہے گا کہ اس نے بہت بُرا کیا' فلاں کے لڑکے کو خراب کر دیا۔ اسی طرح طبعی رحم بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ایک شخص میں بُزدلی پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے وہ کسی کو سزا نہیں دے سکتا تو یہ اس کی خوبی نہیں' نہ قابلِ تعریف بات بلکہ یہ نقص ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ریا کے طور پر رحم کرے۔ اس کے دل میں تو بغض بھرا ہو مگر ظاہر طور پر وہ رحم کا سلوک کرے تو یہ بھی قابلِ قدر نہ ہو گا۔ یا اگر نیک سلوک اس لئے کرتا ہو کہ اسے کچھ حاصل ہو جائے تو یہ بھی قابلِ تعریف نہ ہو گا۔ جیسے شاعر لوگوں کی اس لئے تعریف کرتے ہیں کہ کچھ مل جائے۔ لیکن اگر حسنِ سلوک دلیل اور برہان کے ماتحت ہو' فکر کے نتائج میں ہو' دوسرے کے فائدہ کے لئے ہو کہ اس سے ان کی اصلاح ہو گی اور امن قائم ہو گا' تو یہ قابل قدر چیز ہو گی۔

نفس کا آرام پھر نفس کے آرام کا بھی یہی حال ہے وہ جس مقصد کے لے ہو گا' اسی کے مطابق اس کا درجہ ہو گا۔ اگر وہ لذّتِ نفس کے لئے' سُستی یا تکبّر کے لئے یا آرام طلبی کی غرض سے ہو تو برا ہے۔ لیکن اگر حکمت کے ماتحت ہو' اظہار شکر کے لئے ہو تو اچھا ہے۔ مثلاً اگر کوئی اس لئے سوتا ہے کہ تازہ دم ہو کر خدا کے لئے یا بنی نوع انسان کے لئے زیادہ محنت سے کام کر سکے گا' تو اس کا یہ آرام پانا قابل تعریف ہو گا۔ یا کوئی کھانا اس لئے کھاتا ہو کہ طاقت پیدا ہو اور دین یا دنیا کی خدمت کر سکوں۔ تو یہ بھی قابل تعریف ہو گا۔ یا اچھے کپڑے اس لئے پہنتا ہو کہ اللہ نے اس پر جو احسان کیا ہے' اسے ظاہر کرے۔ صفائی رکھے تو یہ اچھی بات ہے۔ اسی طرح اگر کوئی زُہد اختیار کرے یعنی دنیا کی چیزوں کو چھوڑے تو وہ اگر اس لئے چھوڑے کہ لوگ اس کی تعریف کریں' تو یہ بُرا فعل ہے۔ لیکن اگر اس لئے چھوڑے کہ لوگوں کو نفع پہنچائے تو اچھا ہے۔ یا اگر اس لئے چھوڑے کہ لوگ اسے پیر مان لیں' تو یہ بُرا ہے۔ لیکن اگر لوگوں کے لئے قربانی کرتا ہے تو یہ اچھا ہے۔

پس اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کو سزا دینا یا ان پر رحم کرنا' کسی کو مارنا یا خود مرنا یا زندہ رہنا اگر خدا کے لئے ہے تو اچھا فعل ہے اور اگر خدا کے لئے نہیں تو پھر اچھا فعل نہیں ہے۔

رسول کریم ﷺ کی زندگی

اس گُر کے ماتحت رسول کریم ﷺ کے اعمال کو دیکھنا چاہئے کہ آپ کی زندگی لوگوں کے فائدہ کے لئے تھی یا اپنے فائدہ کے لئے۔ آپ کا مرنا اپنے لئے تھا یا لوگوں کے فائدہ کے لئے۔ آپ نے جو احسان کئے وہ اپنے فائدہ کے لئے تھے یا لوگوں کے فائدہ کے لئے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے جو احسان کئے، وہ اپنے نفس کے لئے تھے تو پھر خواہ آپ کے دس ہزار احسان گنا دیئے جائیں یہ آپ کی کوئی خوبی نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے کسی کو جو سزا دی، وہ غصہ اور انتقام کے طور پر دی تھی تو بے شک یہ بری بات ہوگی۔ لیکن اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ لوگوں کے فائدہ کے لئے ایسا کیا گیا۔ اور یہ ایسی ہی سزا تھی جیسی خدا تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو دیتا ہے اور جو دوسروں کے فائدہ کے لئے ہوتی ہے تو یہ قابل تعریف بات ہوگی۔ اسی طرح اگر یہ ثابت ہو جائے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی زندگی اپنے ذاتی آرام و آسائش کے لئے خرچ کی، تو یہ بُری بات ہوگی۔ لیکن اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ آپ نے اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لئے خرچ کی، تو یہ مقدس زندگی ہوگی۔ اسی طرح آپ کی موت اپنے لئے ہوئی تو بُری ہوگی لیکن اگر خدا کے لئے ہوئی، تو مقدس ہوگی۔

بُری قربانی

دیکھو کئی دفعہ قربانی بھی بُری ہو جاتی ہے۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک شخص آکر اسلامی لشکر میں شامل ہو گیا اور بڑے زور سے لڑتا رہا۔ لوگوں نے اسے دیکھ کر کہا یہ بڑی جانبازی سے لڑا ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ نے کہا یہ جہنمی ہے۔ یہ بات سن کر ان لوگوں کو بہت تعجب ہوا اور ایک شخص اس کے پیچھے چل پڑا۔ آخر وہ زخمی ہوا اور اس سے پوچھا گیا کہ تم کیوں لڑے ہو، تو اس نے کہا کہ میں کسی نیک مقصد کے لئے نہیں لڑا۔ بلکہ مجھے اس قوم سے بغض تھا، اس کی وجہ سے لڑا تھا۔ تو رسول کریم ﷺ نے اس کے فعل کو پسند نہ کیا۔ حالانکہ وہ آپ کی طرف سے لڑا تھا۔ بلکہ آپ نے فرمایا چونکہ یہ صداقت کے لئے نہیں لڑا، بلکہ نفسانیت کے لئے لڑا ہے، اس لئے اس کا یہ فعل ناپسندیدہ ہے۔

غرض جب مقصد اور مدعا اچھا ہو، سزا بھی اچھی ہوتی ہے اور احسان بھی اچھا ہوتا ہے۔ لیکن اگر مقصد خراب ہو تو سزا بھی خراب ہوتی ہے اور احسان بھی۔

رسول اللہ کا تقدّس

گو احسان اور قربانی میں ہی تقدس کا ذکر آجاتا ہے کیونکہ نیک نیتی کے ساتھ دوسروں کے فائدہ کے لئے خدا تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھ کر کام کرنے کا نام ہی تقدس ہے۔ مگر میں اصولی طور پر بھی بعض باتیں بیان کر دیتا ہوں۔

تقدّس کا دعویٰ

سب سے پہلی چیز دعویٰ ہوتا ہے اور جب مصلحین کا سوال ہو تو سب سے مقدم امر یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ انہوں نے خود بھی اس امر کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں کہ جو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے متعلق ہمیں صاف لفظوں میں تقدس کا دعویٰ نظر آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ فرمائیں کہ **فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔**[۳] ان کے سامنے یہ بات پیش کرو کہ میں بچپن سے تمہارے اندر رہا ہوں بچہ تھا کہ تم میں رہتے ہوئے بڑا ہوا۔ تم نے میری ایک ایک بات دیکھی ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں نے کبھی جھوٹ اور فریب سے کام لیا اگر کبھی نہیں لیا تو پھر تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ آج میں تم سے کوئی فریب کر رہا ہوں۔ یہ رسول کریم ﷺ کا دعویٰ ہے کہ آپ پر لوگ کوئی عیب نہیں لگا سکتے۔ پس وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ خدا پر آپ نے جھوٹ بولا۔ اس دعویٰ کا ردّ چونکہ آپ کے دشمنوں نے نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہیں بھی آپ کے تقدس کا اقرار تھا۔

تقدّس کے دعویٰ کا ایک اور ثبوت

دوسری شہادت ایک اور ہے۔ یہ بھی قرآن کریم کی ہے اور قرآن کریم کے نہ ماننے والوں کے لئے گو دلیل نہیں لیکن اس سے دعویٰ ضرور ثابت ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ**[۴] اللہ تعالیٰ آپ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ لوگ تجھے جھوٹا اور فریبی کہتے ہیں۔ مکّار اور ٹھگ قرار دیتے ہیں۔ طالب حکومت اور شوکت بتاتے ہیں۔ اور یہ باتیں تجھے بری لگتی ہیں مگر اس لئے نہیں کہ یہ تجھے بُرا کہتے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ یہ لوگ ہماری باتوں کا انکار کرتے ہیں۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ کسی کے مذہب کو اگر کوئی بُرا بھلا کہے تو اسے اتنا جوش نہیں

آتا جتنا اس وقت آتا ہے جب کوئی اسے گالی دے۔ مگر یہاں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے نفس کی یہ حالت ہے کہ انہیں جو چاہیں کہہ لیں مگر خدا تعالیٰ کی باتوں کا انکار نہ کریں۔ اور اس کی شان کے خلاف باتیں نہ کریں۔ گویا آپ کا غم و حُزن محض اللہ کے لئے تھا۔ اپنی ذات کے لئے نہ تھا۔

اپنے متعلق اپنی شہادت

اب ایک اور شہادت آپ کے تقدس کی پیش کرتا ہوں جو آپ کی اپنی شہادت ہے۔ عموماً اپنے متعلق اپنی شہادت کو وقعت نہیں دی جاتی لیکن یہ ایسی بے ساختہ شہادت ہے کہ جس کے درست تسلیم کرنے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

جب آپ کو پہلے پہل الہام ہوا تو آپ ورقہ بن نوفل کے پاس گئے جو عیسائی تھے۔ عیسائیوں میں چونکہ الہامی کتاب تھی اور عربوں میں نہ تھی، اس وجہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی بیوی ان کے پاس آپ کو لے گئیں تا ان سے اس کے متعلق مشورہ کریں۔ آپ نے ان سے ذکر کیا کہ مجھے اس طرح الہام ہوا ہے۔ ورقہ نے کہا تمہاری قوم تمہیں تمہارے وطن سے نکال دے گی۔ کاش میں اس وقت جوان ہوتا تو تمہاری مدد کرتا۔ یہ سن کر آپ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ اَوَ مُخْرِجِیَّ هُمْ ؁ میں ہمیشہ لوگوں کا خیر خواہ رہا ہوں اور ان کی بھلائی کی کوشش کرتا رہا ہوں پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ مجھے نکال دیں گے۔

یہ شہادت گو آپ کی اپنی شہادت ہے مگر ہر عقلمند کو ماننا پڑے گا کہ سچی ہے۔ کیونکہ ایسے موقع پر منہ سے نکلی ہے جب کہ کسی بناوٹ کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کیا یہ بھی ممکن ہے کہ میرے جیسے خیر خواہ اور ہمدرد کو نکال دیں۔ وہ لوگ مجھ سے محبت اور پیار کرتے ہیں۔ مجھے صدوق اور امین قرار دیتے ہیں میری خیر خواہی کے قائل ہیں۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ نکال دیں۔ میں نے تو کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا، کسی سے کبھی فریب نہیں کیا۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔

یہ بھی اس بات کی ایک شہادت ہے کہ آپ کی زندگی مقدس تھی کیونکہ آپ یہ خیال ہی نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی یا یہ کہ قوم کے پاس آپ کو نکالنے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔

بیوی کی شہادت

چونکہ خاوند کی سب سے زیادہ رازدان بیوی ہوتی ہے اس لئے میں آپ کی پاکیزہ زندگی کے متعلق آپ کی بیوی کی بھی ایک شہادت پیش کرتا ہوں۔ یہ شہادت لوگوں کے سامنے نہیں دی گئی کہ اس میں بناوٹ کا شبہ ہو۔ بلکہ علیحدہ گھر میں دی گئی ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر میں ایک چالیس سالہ عمر کی عورت سے شادی کی۔ ۲۵ سال کی عمر میں مرد پورا جوان ہوتا ہے۔ اور چالیس سالہ عورت بڑھاپے کی طرف جا رہی ہوتی ہے۔ اس عمر کا نوجوان اول تو پہلے ہی ایسے رشتہ کو ناپسند کرتا ہے اور اگر رشتہ ہو جائے تو ناگوار حالات رونما ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ ایسی عمر میں مرد کی خواہشات اور ہوتی ہیں اور عورت کی اور۔ لیکن رسول کریم ﷺ نے اس نکاح کے ۱۵ سال بعد نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۵۵ سال کی تھی اور آپ کی عمر چالیس سال کی۔ اس پندرہ سال کے عرصہ میں حضرت خدیجہ نے جو نتیجہ نکالا' وہ یہ تھا کہ جب آپ کو الہام ہوا اور آپ اس بات سے گھبرا گئے کہ میں کہاں اور یہ درجہ کہاں۔ اور آپ نے حضرت خدیجہ سے ذکر کیا تو انہوں نے آپ سے کہا **كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا۔ اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ**[6] **فَلَا يُسَلِّطُ اللّٰهُ عَلَيْكَ الشَّيٰطِيْنَ وَالْاَوْهَامَ وَالْاَمْرَاءَ اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَكَ لِهِدَايَةِ قَوْمِكَ**۔ [7]

حضرت خدیجہ الہام نازل ہونے کا ذکر سن کر فوراً کہتی ہیں۔ نہیں نہیں۔ خدا کی قسم۔ خدا کبھی آپ کو ضائع نہ کرے گا۔ آپ اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ کبھی کوئی بے کس آپ کو نظر نہیں آیا جس کا آپ نے بوجھ نہ اٹھایا ہو۔ سارے عرب میں یہ خوبیاں نہ تھیں آپ نے زندہ کیں۔ کوئی مسافر آپ کے پاس نہیں آیا جس کی مہمانی آپ نے نہ کی ہو۔ کسی پر جائز مصیبت نہیں پڑی جس کی مدد کے لئے آپ تیار نہ ہو گئے ہوں۔ پس کبھی آپ پر خدا تعالیٰ شیاطین کو مسلّط نہ کرے گا۔ اور کبھی خدا آپ کو مجنون نہ کرے گا۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے چُن لیا ہے۔

یہ اس عورت کی گواہی ہے جس نے چالیس سال کی عمر میں پچیس سالہ مرد سے شادی کی تھی۔ اور اس مرد سے شادی کی تھی جو غریب تھا اور ایسی حالت میں شادی کی تھی کہ کئی

لاکھ روپیہ کی وہ مالک تھی۔ پھر اس نے اپنی ساری دولت خاوند کے ہاتھ میں دے دی تھی اور اس خاوند کے حق میں دی ہے جس نے وہ ساری دولت غریبوں میں لٹا دی تھی۔ ایسی حالت میں اس عورت کو اپنے خاوند کے متعلق شکایت کے بیسیوں مواقع پیدا ہو سکتے تھے۔ مگر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے ہیں کہ یہ بوجھ جو مجھ پر ڈالا گیا ہے مجھ سے کس طرح اٹھایا جائے گا تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھیں کہ کس طرح یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا آپ پر شیطانوں کو مسلط کر دے مرد کا عورت سے بڑھ کر محرم راز کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس یہ اس محرم راز کی شہادت ہے آپ کے تقدس کے متعلق۔ اور وہ بھی لوگوں کے سامنے نہیں کہ کہا جائے اپنے خاوند کی حمایت کے لئے اس نے ایسا کہا بلکہ الگ طور پر آپ کو تسلی دینے کے لئے کہتی ہے۔ یہ اتنی بڑی شہادت ہے کہ کسی کو اس کے انکار کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

دوستوں کی شہادت

یہ تو آپ کے تقدس کے متعلق آپ کی بیوی کی شہادت ہے۔ مگر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بیویوں سے تو اچھا سلوک کرتے ہیں۔ مگر اپنے ملنے جلنے والوں سے ان کا سلوک اچھا نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی کہہ سکتا ہے مان لیا بانیٔ اسلام کی زندگی بیوی کے متعلق پاکیزہ تھی۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اپنے دوستوں کے متعلق بھی اچھی تھی اس لئے میں آپ کے دوستوں کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ ان دوستوں میں سے ایک تو ایسے دوست کی شہادت پیش کرتا ہوں جو آپ پر ایمان لایا۔ اور ایک ایسے کی جو ایمان نہ لایا۔ جو دوست ایمان لایا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی گواہی یہ ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا تو لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ آپ پاگل ہو گئے ہیں یا آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت مکہ سے باہر تھے۔ واپسی پر کسی دوست کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس شخص کی لونڈی نے آکر کہا۔ آپ نے سنا کیسا اندھیر ہو گیا ہے کہ خدیجہ کے خاوند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعویٰ کیا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اور میں نبی ہوں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ سُن کر چُپ چاپ اُٹھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آکر دروازہ پر دستک دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکل کر آئے اور چاہا کہ آپ کو اپنے دعویٰ سے خبردار کریں کہ انہوں نے کہا مجھے ایک بات پوچھ لینے دیں۔ آپ نے رسالت کا دعویٰ کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔

انہوں نے کہا۔ بس میں اور کچھ نہیں معلوم کرنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اور میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی اس میں کچھ کجی پائی۔ لیکن ابوبکر نے فوراً ہی میری بات کو قبول کرلیا۔ [8] (اس سے مراد خاندان کے باہر کے لوگ ہیں ورنہ حضرت خدیجہؓ حضرت علیؓ اور زیدؓ بن حارثہؓ جو بیٹوں کی طرح آپ کے گھر میں پلے تھے اس میں شامل نہیں۔ یہ لوگ فوراً ایمان لے آئے تھے۔)

یہ دوست کی شہادت ہے کہ وہ کوئی دلیل، کوئی ثبوت، کوئی معجزہ طلب نہیں کرتا۔ صرف اتنا کہتا ہے کہ یہ بتادیجئے کیا آپ نے دعویٰ کیا ہے؟ اور جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ دعویٰ کیا ہے تو ایمان لے آتا ہے۔

ایک اور دوست آپ کا حکیم ابنِ حزام تھا۔ وہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے قریب جاکر ایمان لایا۔ ۲۱ سال کے قریب وہ آپ کا مخالف رہا۔ مگر باوجود اس کے کہ اس نے آپ کے دعویٰ کو نہ مانا، تاہم اتنا اخلاص رکھتا تھا کہ ایک بادشاہ کا مال جب مکہ میں آکر نیلام ہوا تو ایک کوٹ جو کئی سو کی قیمت کا تھا اور لوگوں کو بہت پسند آیا تھا، اسے جب اس نے دیکھا تو کہنے لگا محمد (ﷺ) سے زیادہ یہ کسی کو نہ سجے گا۔ اس نے وہ کوٹ خرید لیا اور ہدیہ کے طور پر آپ کے لئے مدینہ میں لے کر آیا۔

اس اخلاص سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ آپ کو غلطی لگ گئی ہے۔ مگر یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپ فریب دے رہے ہیں۔ تبھی تو باوجود ایمان نہ لانے کے وہ آپ کے لئے ایک قیمتی تحفہ خرید کر مکہ سے مدینہ تین سو میل کی مسافت طے کرکے لے گیا۔

ایک غیر جانبدار کی شہادت

لیکن بعض دفعہ دوست کی شہادت کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ دوست جو ہوا اس کی شہادت دوست کے حق میں ہی ہوگی۔ اس لئے میں ایک غیر جانبدار کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ وہ آپ کے بچپن کے متعلق ہے اور یہ ایک لونڈی کی شہادت ہے۔ ابوطالب کی لونڈی کہتی ہے۔ جب بچپن میں آپ اپنے چچا ابوطالب کے گھر آئے تو سارے بچے آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ مگر آپ نے کبھی ایسی باتوں میں حصہ نہ لیا۔ کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھ کر سارے بچے لپک پڑتے۔ مگر آپ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ جو کچھ دے دیا جاتا کھا لیتے، خود کچھ نہ مانگتے۔ یہ آپ کے وقار،

عزتِ نفس اور سیر چشمی کے متعلق شہادت ہے۔

بہت بڑے دشمن کی شہادت

مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک وقت اور ایک حالت کے متعلق ہے اس لئے میں ایسی شہادت پیش کرتا ہوں جو رسول کریم ﷺ کے سب سے بڑے دشمن کی ہے اور بچپن سے لے کر ادھیڑ عمر تک کے زمانہ کے متعلق ہے۔ اس شخص نے آپ کی مخالفت میں ہر طرح سے حصہ لیا تھا۔ آپ پر پتھر پھینکے، آپ کے قتل کے منصوبے کئے۔ اس کا نام نضر بن الحارث تھا۔ یہ اُن ۱۹۔ اشخاص میں سے تھا جو رسول کریم ﷺ کے قتل کے منصوبہ میں شامل تھے۔ جب دعویٰ کے بعد لوگ مکہ میں آنے لگے اور رسول کریم ﷺ کے دعویٰ کا چرچا پھیلا تو مکہ کے لوگوں کو فکر پیدا ہوئی کہ حج کا موقع آرہا ہے۔ بہت سے لوگ یہاں آئیں گے اور ان کے متعلق پوچھیں گے تو ان کو کیا جواب دیں گے۔ اس کے لئے انہوں نے مجلس کی۔ جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار اکٹھے ہوئے تا کہ سب مل کر ایک جواب سوچ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی کچھ کہے اور کوئی کچھ، اور سب ہی لوگ ہم کو جھوٹا سمجھیں۔ اس مجلس میں مختلف جواب پیش کئے گئے۔ ایک شخص نے کہا یہ کہدو کہ جھوٹا ہے اس وقت نضر بن الحارث کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

قَدْ كَانَ مُحَمَّدٌ فِيْكُمْ غُلَامًا حَدَثًا اَرْضَا كُمْ فِيْكُمْ وَاَصْدَ قَكُمْ حَدِيْثًا وَاَعْظَمَكُمْ اَمَانَةً حَتّٰى اِذَا رَاَيْتُمْ فِىْ صُدْغَيْهِ الشَّيْبَ وَجَاءَ كُمْ بِمَا جَاءَ كُمْ قُلْتُمْ سَاحِرٌ لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِسَاحِرٍ[9]

وہ بڑے جوش سے کہنے لگا۔ جواب وہ سوچو جو معقول ہو۔ محمدؐ تمہارے اندر پیدا ہوا۔ تمہارے اندر جوان ہوا۔ تم سب اسے پسند کرتے تھے اور اس کے اخلاق کی تعریف کرتے تھے۔ اسے سب سے سچا سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو گیا۔ اور اس کے سر میں سفید بال آگئے۔ اور اس نے وہ دعویٰ کیا جو کرتا ہے۔ اب اگر تم کہو گے کہ وہ جھوٹا ہے تو اسے کون جھوٹا مانے گا۔ لوگ تمہیں ہی جھوٹا کہیں گے اس جواب کو چھوڑ کر کوئی اور جواب گھڑو۔

یہ دشمن کی گواہی ہے اور بہت بڑے دشمن کی گواہی ہے۔ پھر تائید کے لئے گواہی نہیں۔ بلکہ ایسی مجلس میں پیش کی گئی ہے جو آپ کی مخالفت کے لئے منعقد کی گئی تھی اور اس لئے پیش کی گئی تھی کہ کس طرح لوگوں کو آپ کی طرف سے پھرایا جائے۔

خادم کی شہادت

پھر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے دوستوں سے بھی اچھا سلوک کرتے ہیں۔ بیویوں سے بھی اچھا معاملہ کرتے ہیں۔ بھائیوں سے بھی عمدگی سے پیش آتے ہیں۔ مگر اپنے نوکروں پر سختی کرتے ہیں۔ اس لئے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کا سلوک نوکروں سے کیسا تھا۔ اس کے لئے ایک ایسے شخص کی شہادت پیش کی جاتی ہے جو بچپن سے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں رہا اور آپ کی وفات تک آپ کے پاس رہا۔ وہ شخص انس ؓ تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں خواہ مجھ سے کوئی کام کتنا ہی خراب ہو جائے۔ کبھی رسول کریم ﷺ غصہ نہ ہوتے تھے۔ اور نہ ہی بُری نظر سے دیکھتے تھے۔ پھر آپ نے مجھے کوئی کام ایسا نہیں بتایا جو میں نہ کر سکتا تھا اور جو کام مجھے بتاتے آپ بھی میرے ساتھ اس میں شامل ہو جاتے اور آپ کبھی سخت کلامی نہ کرتے تھے۔

معاملہ کرنے والے کی شہادت

پھر کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے دوستوں اور نوکروں سے بھی اچھا معاملہ کرتے ہیں۔ مگر جب کسی سے مشارکت مالی انہیں ہو جاتی ہے تو پھر ان کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس لئے رسول کریم ﷺ کے ساتھ جن لوگوں کو معاملہ پڑا ہم ان کی شہادت پر نگاہ ڈالتے ہیں۔

قیس بن سائب ایک شخص تھا۔ جس سے رسول کریم ﷺ نے مل کر تجارت کی تھی۔ وہ مدتوں تک مسلمان نہ ہوا۔ فتح مکہ کے بعد وہ آپ کے پاس آیا اور کسی نے بتایا کہ یہ فلاں شخص ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمہاری نسبت اسے زیادہ جانتا ہوں۔ اس سے مل کر میں نے تجارت کی تھی۔ اس نے کہا نِعْمَ الشَّرِيْكُ لَا يُدَارِىْ وَلَا يُمَارِىْ وَلَا يُشَارِىْ [1] کہ اس سے اچھا شریک میں نے نہیں دیکھا۔ اس نے کبھی ٹھگی نہ کی، کبھی کوئی شرارت نہ کی، کبھی کوئی جھگڑا نہ کیا۔

وصال کے بعد کی شہادتیں

پھر کہا جا سکتا ہے کہ آپ بڑے آدمی تھے زندگی میں لوگ ان سے ڈرتے تھے اور کوئی مخالفانہ بات نہ کہہ سکتے تھے۔ اس لئے میں اس زمانہ کو لیتا ہوں۔ جب کہ آپ فوت ہو گئے کہ اس وقت آپ کے متعلق کیا شہادت ملتی ہے۔

دوسری بیوی کی شہادت

اس زمانہ کے متعلق بھی پہلے میں آپ کی ایک بیوی کی شہادت پیش کرتا ہوں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔[9] جو آپ کی نو

بیویوں میں سے ایک ہیں۔ کسی کی دو بیویاں ہوں تو اس کے متعلق شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر آپ کی ۹ بیویاں تھیں اور بڑھاپے کی عمر کی تھیں۔ اور وہ بیویاں تھیں جن کو کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ ملا تھا۔ مگر کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا۔ رسول کریم کے خُلق کے متعلق تو کچھ بتایئے۔ تو انہوں نے کہا کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ[۱] قرآن میں جن اخلاق حمیدہ کا ذکر ہے۔ وہ سارے کے سارے آپ میں پائے جاتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت کا یہ حال تھا کہ کسی نے انہیں دیکھا کہ روٹی کھا رہی ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پوچھا یہ کیا۔ آپ کیوں رو رہی ہیں۔ تو کہا کیوں نہ روؤں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے مگر کبھی چھنے آٹے کی روٹی میں پکا کر ان کو نہ کھلا سکی اب جو میں ایسی روٹی کھا رہی ہوں تو میرے گلے میں پھنس رہی ہے اس وقت اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو میں انہیں یہ روٹی کھلاتی۔

کسی کو جب ذرا آرام مل جاتا ہے تو وہ اپنے پیارے سے پیارے عزیزوں کو بھول جاتا ہے۔ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو نوجوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ جنہیں کوئی دنیاوی آرام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حاصل نہ ہوا تھا وہ آپ کے اخلاق کی ایسی معتقد ہیں کہ جب انہیں اچھی چیز ملتی ہے' تو کہتی ہیں کاش رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو میں انہیں کھلاتی۔

خلفاء کی شہادتیں

پھر میں آپ کے خلفاء کی شہادت کو لیتا ہوں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی کسی کا قائم مقام بنتا ہے تو اس کی مذمت کرتا ہے تا کہ اپنی عزت قائم کرے۔ سوائے اس کے جس سے خاص روحانی اور اخلاقی تعلقات ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ کی شہادت

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ ہوئے۔ جب ان کے وقت میں سارے عرب میں بغاوت ہو گئی اور لوگوں نے کہہ دیا ہم ٹیکس نہیں دیں گے۔ تو آپ کو مشورہ دیا گیا کہ ان لوگوں سے مقابلہ پیش آ گیا ہے' اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے قبل جو لشکر روانہ کیا تھا' اسے روک لیا جائے۔ پہلے بغاوت کو فرو کر لیا جائے اور پھر لشکر کو بھیجا جائے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی عظمت تھی کہ اپنے باپ کا نام لے کر کہنے لگے۔ کیا ابن ابی قحافہ کی یہ طاقت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکر کو روک لے۔ خدا کی قسم! اگر دشمن مدینہ میں آ کر ہماری عورتوں کو گھسیٹنے لگے تو بھی میں رسول

کریم ﷺ کے بھیجے ہوئے لشکر کو نہیں روکوں گا۔ ۱۲

اس واقعہ کو سن کر کوئی کہہ سکتا ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بانیٔ اسلام اپنے دعویٰ میں سچے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں۔ بے شک صرف اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا مگر اس سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت راستباز اور متقی انسان تھے کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے قول کا پاس ان کے شاگردوں کو غیر معمولی حد تک تھا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت

دوسری شہادت آپ کے دوسرے خلیفہ کی پیش کرتا ہوں اور وہ بھی موت کے وقت کی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو انہوں نے اس بات کے لئے بڑی تڑپ ظاہر کی کہ آپ کو رسول کریم ﷺ کے قدموں میں دفن ہونے کی جگہ مل جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ اگر اجازت دیں تو مجھے آپ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ ۱۳

حضرت عمر وہ انسان تھے جن کے متعلق عیسائی مورخ بھی لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایسی حکومت کی جو دنیا میں اور کسی نے نہیں کی۔ وہ رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں۔ ایسا شخص ہر وقت کی صحبت میں رہنے والا مرتے وقت یہ حسرت رکھتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے قدموں میں اسے جگہ مل جائے۔ اگر رسول کریم ﷺ کے کسی فعل سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی کہ آپ خدا کی رضا کے لئے کام نہیں کرتے تو کیا حضرت عمرؓ جیسا انسان اس درجہ کو پہنچ کر کبھی یہ خواہش کرتا کہ آپ کے قدموں میں جگہ پائے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت

تیسری شہادت مَیں آپ کے تیسرے خلیفہ کی پیش کرتا ہوں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس قدر آپ کی عزت و احترام ان کی نظر میں تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بغاوت ہو گئی اور باغیوں نے یہ منصوبہ کیا کہ ان کو مار دیں۔ اس وقت حضرت معاویہؓ ان کے پاس آئے اور انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ باغیوں کا خیال ہے کہ آپ کو مار کر کسی اور صحابی کو خلیفہ بنالیں گے۔ اس لئے آپ بڑے بڑے صحابہ کو باہر بھیج دیں۔ مگر اس وقت جب کہ بغاوت پھیل رہی تھی اور حضرت عثمانؓ کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ انہوں نے کہا۔ اے معاویہ! یہ کس طرح مجھ سے امید کی جا سکتی ہے کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے ان لوگوں کو مدینہ سے باہر بھیج دوں۔ جنہیں محمد ﷺ نے جمع کیا

تھا۔ گویا انہوں نے اپنی جان قربان کر دی۔ مگر صحابہ کو باہر بھیجنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اس لئے کہ ان کو محمد ﷺ نے جمع کیا تھا۔

کیا یہ ادب اور یہ احترام اس شخص کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے جس نے ساری عمر رسول کریم ﷺ کے ساتھ رہ کر آپ کی کوئی ٹھگی دیکھی ہو۔

حضرت علیؓ کی شہادت

حضرت علیؓ چونکہ آپ کے عزیز ترین رشتہ دار تھے اور ان کی ساری زندگی ہی آپ کی صداقت کی شہادت میں پیش کی جا سکتی ہے۔ اس لئے ان کے کسی خاص واقعہ کو بیان کرنا میں ضروری نہیں سمجھتا۔

شہادت کا نتیجہ

یاد رکھو۔ شہادت اسی وقت کے لوگوں کی ہوتی ہے۔ پس آپ کی بیوی کی شہادت پیش کی گئی کہ آپ کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے۔ پھر آپ کے دوستوں، دشمنوں کی شہادت پیش کی گئی ہے۔ پھر وفات کے بعد کے زمانہ کے متعلق شہادت پیش کی گئی ہے۔ پھر کیا یہ ہو سکتا ہے کہ موقع کے لوگوں کی گواہی تو قابل اعتبار نہ سمجھی جائے۔ اور بعد کے لوگ جو کہیں اسے درست مان لیا جائے۔ موقع ہی کی گواہی اصل گواہی ہوتی ہے۔ اور موقع کے دوست دشمن سب کہتے ہیں کہ محمد ﷺ مقدّس وجود تھے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ بعد میں آنے والے لوگ آپ کو مقدس نہ کہیں۔

خدا تعالیٰ کے لئے غیرت

دوسرا ثبوت آپ کے تقدّس کا وہ غیرت ہے جو آپ خدا تعالیٰ کے متعلق رکھتے تھے۔ ایک مشہور واقعہ ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کے لئے کس قدر غیرت تھی۔ جب احد کی لڑائی ہوئی تو اس میں بہت سے مسلمان زخمی ہوئے۔ خود رسول کریم ﷺ بھی زخمی ہو گئے اور دشمنوں نے سمجھا کہ آپ کو انہوں نے مار ڈالا ہے۔ یہ سمجھ کر مکہ کے ایک سردار نے میدان جنگ میں بلند آواز سے کہا بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی جواب نہ دو۔ کوئی جواب نہ پا کر اس نے کہا ہم نے محمد کو مار دیا ہے۔ پھر اس نے کہا ابو بکر کہاں ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کوئی نہ بولو۔ اس نے کہا ہم نے ابو بکر کو بھی مار دیا ہے۔ پھر اس نے کہا عمر کہاں ہے۔ حضرت عمر جوش سے بولنے لگے کہ میں تمہاری خبر لینے کے لئے موجود ہوں مگر آپ نے انہیں روکا کہ جواب مت دو اس پر اس نے کہا ہم نے عمر کو بھی مار دیا ہے۔ پھر اس نے کہا اُعْلُ هُبَلْ۔ اُعْلُ هُبَلْ۔ هُبَلْ (جو مکہ کا ایک بت تھا) کی شان بلند ہو۔ کیونکہ ہم نے بتوں کے

مخالفوں کو مار دیا ہے۔ اس پر رسول ﷺ جو ابھی فرما چکے تھے کہ خاموش رہو اور کوئی جواب نہ دو کیونکہ مصلحت اسی میں تھی۔ بہت سے مسلمان زخمی تھے اور خطرہ تھا کہ کفار پھر لوٹ کر ان پر حملہ آور نہ ہوں' فرمانے لگے کہ جواب کیوں نہیں دیتے۔ کہو۔ اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ۔ اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ۔[۴] اللہ ہی عزت والا اور شان والا ہے۔ اللہ ہی عزت والا اور شان والا ہے۔ اب دیکھو کہ باوجود ایسے نازک موقع کے کہ بہت کثرت سے مسلمان زخمی پڑے تھے۔ اور بظاہر مسلمانوں کو شکست ہو گئی تھی۔ آپ نے خدا تعالیٰ کی توحید پر حرف آتے دیکھ کر خاموش رہنے کو پسند نہ کیا۔ حالانکہ اپنی موت کی خبر کی تردید نہ کرنے دی۔ اس وقت بولنے کا صرف یہی نتیجہ نظر آتا تھا کہ دشمن حملہ کر کے سب کو مار ڈالے۔ مگر جب آپ نے خدا تعالیٰ کی تحقیر سنی تو فوراً جواب دینے کا ارشاد فرمایا۔

رسول کریم ﷺ کے پیدا کردہ پھل

تیسرا ثبوت آپ کی تقدیس کا وہ پھل ہیں جو آپ نے پیدا کئے اور اس کے لئے میں حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو پیش کرتا ہوں۔ متعصب سے متعصب عیسائی جو رسول کریم ﷺ پر ناپاک سے ناپاک حملے کرتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں۔ ابوبکر اور عمر بہت اچھے انسان تھے۔ وجہ یہ کہ انہوں نے دنیا کے لئے اتنی قربانیاں کی ہیں کہ دشمن بھی ان کی قربانیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر جب دشمن یہ مانتے ہیں کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ بہت اعلیٰ انسان تھے۔ جنہوں نے دنیا کو بے شمار فوائد پہنچائے تو سوال یہ ہے کہ کیا ایسے مفید وجود جو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ایک ٹھگ اور عیاش نے پیدا کر دیئے۔ وہ شخص جس کی نظر دوسروں کے مال پر ہو۔ وہ کہاں ایسے انسان پیدا کر سکتا ہے۔ جو اپنا مال بھی خدا کی راہ میں لٹا دیں۔ ٹھگوں سے ٹھگ ہی پیدا ہوتے ہیں اور عیاشوں سے عیاش ہی بنتے ہیں۔ کبھی ٹھگوں سے نیک اور عیاشوں سے متقی نہیں بنائے جاسکتے۔ یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ جن کے تقویٰ' جن کی دیانت' جن کے ایثار' جن کی سادگی اور جن کی قومی غمخواری کی تمام دنیا قائل اور مُقِرّ ہے رسول کریم ﷺ کی صحبت میں ہر وقت رہنے کے بعد اگر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ یہ صفات آپ میں ان لوگوں سے ہزاروں گنے زیادہ نہیں پائی جاتی تھیں تو ان اعلیٰ درجہ کے اخلاق کے ظاہر کرنے والے ہوتے اور پھر یہ دعویٰ کرتے کہ یہ اخلاق ان کو رسول کریم ﷺ کے سمندر میں سے ایک قطرہ کے برابر ملے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی زندگی بھی حقیقتاً بے عیب تھی۔ گو بعض تاریخی غلطیوں کی وجہ سے لوگوں نے اسے اچھی طرح محسوس نہیں کیا۔ مگر حضرت علیؓ جو چوتھے خلیفہ ہیں اور نہ صرف خلیفہ ہی بلکہ بچپن سے آنحضرت ﷺ کی گود میں پلے تھے اور آپ کے گھر میں رہے تھے اور آپ کے داماد تھے۔ ان کی نیکی' ان کے زُہد' ان کی بے نفسی اور ان کی پاکیزگی کے دشمنانِ اسلام قائل ہیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ علیؓ ان اعتراضات کی موجودگی میں جو آنحضرت ﷺ کی ذات پر کئے جاتے ہیں' اوپر کی صفات کو کہاں سے پاسکتے تھے۔ اور اگر یہ اخلاق ان کے ذاتی تھے۔ تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ ایسے اعلیٰ درجہ کے اخلاق کے باوجود وہ حضرت رسول کریم ﷺ کے مخلص کیوں رہے۔ پھر ان چاروں خلفاء کی ہی شرط نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ایک قوم کی قوم ایسی پیدا کر دی جو عدل و انصاف کی مجسمہ تھی۔ حتیٰ کہ شام کے یہودیوں نے ہی نہیں مسیحیوں تک نے مسلمانوں کے شام کو چھوڑنے کا ارادہ معلوم کر کے ایک وفد بھیجا کہ ہمیں اپنے ہم مذہب مسیحیوں کی حکومت منظور نہیں آپ لوگ یہاں رہیں ہم ہر طرح آپ کی مدد کریں گے۔ کیونکہ آپ لوگوں کے ہاتھوں میں ہماری جانیں اور ہماری عزتیں اور ہمارے مال محفوظ ہیں۔ اب خدارا غور کرو کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ میں غیر معمولی تقدس بلکہ تقدیس کی طاقت نہ ہوتی۔ تو عرب کے غیر متمدن لوگ ڈاکوں اور جوئے اور شراب میں فخر محسوس کرنے والے اس قسم کا تغیر کہاں سے پیدا کر لیتے اور عرب کی زمین آسمان کی جائے فخر کیونکر ہو جاتی۔

اہم اعتراضات کے جوابات

آپ کے تقدس کے خلاف کچھ اعتراض بھی کئے جاتے ہیں۔ میں ان میں سے تین اہم اعتراضات کے جواب بھی اس موقع پر بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

میور لکھتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بے شک بعض اصلاحات کیں لیکن تین خطرناک باتیں انہوں نے رائج کیں جو ان کی خدمات سے بہت زیادہ خطرناک تھیں۔ اور انہوں نے ان کی نیکیوں کے پلڑہ کو بالکل ہلکا کر دیا ہے اور وہ آپ کی تعلیم طلاق' کثرت ازدواج اور غلامی کے متعلق ہے۔

مسئلہ طلاق

طلاق کے متعلق تو مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے یا تو اس پر بڑے زور شور سے اعتراض کئے جاتے تھے' اور یا اب تمام ممالک میں اور تمام اقوام میں یہ

مسئلہ جاری ہو رہا ہے اور دنیا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ طلاق کا جائز نہ ہونا بہت بڑا ظلم ہے۔ بلکہ امریکہ تو طلاق کے جواز میں اسلامی احکام سے بھی آگے نکل گیا ہے۔

کثرتِ ازدواج

باقی رہا بیویوں کے متعلق اعتراض۔ سو زیادہ بیویاں کرنا اپنی ذات میں تو قابلِ اعتراض فعل نہیں ہے۔ قابلِ اعتراض بات تو عیاشی ہے یعنی بعض عورتوں کی طرف ناجائز اور حد سے بڑھی ہوئی رغبت۔

عیاشی کے لوازمات

عیاشی کے لئے یہ چیزیں ضرورت ہوتی ہیں۔ (۱) بڑا عیاش شراب کا دلدادہ ہوتا ہے۔ (۲) عمدہ کھانوں کا دلدادہ ہوتا ہے۔ (۳) عمدہ سامانوں کا دلدادہ ہوتا ہے۔ (۴) راگ و رنگ کا دلدادہ ہوتا ہے۔ (۵) باکرہ عورتوں کا دلدادہ ہوتا ہے۔ (۶) پہلے سے زیادہ حسین عورتوں کو تلاش کرتا ہے اور کم عمر عورتیں تلاش کرتا ہے۔ (۷) عورتوں کی خواہشوں کا پابند ہوتا ہے۔ (۸) عورتوں میں بے انصافی کرتا ہے۔ (۹) ان کی صحبت میں زیادہ وقت صرف کرتا ہے۔

عیاش کی علامتیں

یہ عیاش کی علامتیں ہوتی ہیں۔ کوئی عیاش ایسا نہ ہو گا جو شراب کو ناپسند کرتا ہو۔ کیونکہ عیاشی کے لئے غم و فکر سے علیحدگی ضروری ہوتی ہے۔ اور چونکہ ہر انسان کو کوئی نہ کوئی غم لگا ہوتا ہے اس لئے شراب پی کر خود فراموشی حاصل کی جاتی ہے۔ پھر عیاش کو عمدہ کھانوں کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ ان کے ذریعہ شہوت بڑھے۔ پھر عیاش کو عمدہ سامانوں کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ ان کے ذریعہ شہوت کے خیالات پیدا ہوں۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ راگ و رنگ ہو' گانا بجانا ہو تا کہ شہوانی خیالات کو طاقت حاصل ہو۔ پھر عیاش باکرہ عورتوں کا متلاشی ہوتا ہے۔ کبھی یہ نہ ہو گا کہ کوئی عیاش باکرہ عورتوں کو چھوڑ کر دوسری عورتیں پسند کرے۔ اور باکرہ عورتوں سے بھی وہ کم عمر عورتوں کو تلاش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ کھیل تماشہ ہی چاہتا ہے اور یہ کم عمری میں زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح طبعاً بھی جس قدر رغبت چھوٹی عمر کی عورتوں سے ہو سکتی ہے۔ بڑی عمر کی عورت سے نہیں ہو سکتی۔ دوسرے مطلقہ یا بیوہ عورت کے متعلق یہ بھی خطرہ ہوتا ہے کہ اس نے پہلے خاوند دیکھا ہوا ہے۔ ممکن ہے میں اس سے کمزور ہوں اور اس کی نظر میں میری سُبکی ہو۔ پس وہ اس امتحان میں پڑنا نہیں چاہتا۔ پھر عیاش آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ ایک سے ایک بڑھ کر حسین عورت اس کے قبضہ میں آئے۔

اسی طرح عیاش مرد عورت کو خوش کرنا اور اس کی خواہشات کو پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے' تا کہ وہ اس کی طرف زیادہ سے زیادہ رغبت کرے۔ وہ عورتوں میں بے انصافی کرتا ہے۔ ایک کو چھوڑ کر دوسری کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ دوسری کو چھوڑ کر تیسری کی طرف۔ کیونکہ سب کی طرف توجہ کرنا اس کے مزے کو خراب کرتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عیاش مرد عورتوں میں زیادہ وقت صرف کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کی عیاشی کے میلان پورے ہی نہیں ہو سکتے۔ یہ نو باتیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر یا کم سے کم ان میں سے بعض کے بغیر دنیا میں کوئی عیاش ہو نہیں سکتا اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کیا یہ باتیں رسول کریم ﷺ میں پائی جاتی ہیں؟

شراب

پہلی چیز شراب ہے سو دیکھو کہ ایک محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات ہے جنہوں نے دنیا میں شراب کو قطعاً حرام کیا ہے۔ پہلی اقوام میں شراب کو محدود کرنے کی کوشش تو کی گئی ہے۔ لیکن اسے بالکل نہیں روکا گیا سوائے اسلام کے۔ اب سوچو کہ اگر آپ میں عیاشی کا کوئی شائبہ بھی ہوتا تو آپ کی قوم اگر پہلے پانچ دفعہ شراب پیتی تھی تو آپ انہیں حکم دیتے کہ آٹھ دفعہ پیو۔ اور اگر آٹھ دفعہ پیتی ہوتی تو آپ انہیں کہتے کہ بارہ دفعہ پیا کرو۔ لیکن آپ نے شراب کو بالکل اور قطعاً حرام قرار دے دیا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے شراب کو اس لئے حرام کیا کہ آپ کے تقدس پر لوگ حرف گیری نہ کریں۔ کیونکہ آپ کے ملک کے لوگ ہی نہیں بلکہ دنیا کے لوگ بھی اس زمانہ میں شراب کو تقدس کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ عرب کے کاہن اور ایران کے موبد[۵] اور روم کے پادری اور ہندوستان کے پنڈت شراب میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے اور شراب تقدس کے خلاف نہیں بلکہ شراب عبادات کا ایک جزو اور ریاضات کا ایک ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ پس ایسے وقت میں پبلک اوپینین (OPINION) کا خیال کر کے شراب کو حرام کرنے کا خیال بھی کسی شخص کے دل میں نہیں آ سکتا تھا۔ پس اگر عیاشی کا ایک خفیف سا میلان بھی آپ میں پایا جاتا جیسا کہ آپ کے دشمن خیال کرتے ہیں۔ تو آپ شراب کو ہرگز منع نہ فرماتے بلکہ اپنے ملک کے رواج کو جو ملک کے بڑے اور چھوٹے کی فطرت ثانیہ بن چکا تھا جاری رہنے دیتے۔

ہاں کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ آپ کو عیاشی کے لئے شراب کی ضرورت ہی نہ تھی۔

کیونکہ شراب کی ضرورت غموں کے غلط کرنے کے لئے ہوتی ہے اور آپ غموں سے آزاد تھے مگر یہ دلیل پہلی دلیل سے بھی زیادہ بودی اور لچر ہوگی کیونکہ آپ کی زندگی غموں کا ایک مرقّع تھی۔ جان کاہیوں کی ایک نہ ٹوٹنے والی زنجیر تھی۔ نبوت کا دعویٰ پیش کرنے کے بعد سے آپ دنیا کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے۔ اپنے اور پرایوں کے حملوں کے ہدف بن گئے۔ دنیا آپ کے دکھ دینے میں صرف لطف ہی محسوس نہیں کرتی تھی بلکہ وہ اسے ثوابِ دارین کا موجب خیال کرتی تھی۔ مکہ کے لوگ ہی نہیں بلکہ عرب کے لوگ مشرک ہی نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ بھی آپ کو اپنے مذہب اور اپنی قومیت کے لئے ایک خطرناک وجود سمجھتے تھے۔ پس ہر اک کی تلوار آپ کے خلاف اٹھ رہی تھی۔ ہر اک کی زبان آپ کی ہتکِ عزت کے لئے دراز ہو رہی تھی۔ ہر اک کی آنکھ غصہ سے سرخ ہو ہو کر آپ پر پڑتی تھی۔ جب عرب آپ کے ہاتھ پر فتح ہو گیا تو تب بھی آپ کو امن نہ ملا۔ روم کی حکومت نے آپ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ ایران کے بادشاہ نے آپ کے قتل کے احکام دیئے۔ گھر کے دشمن منافقوں نے اندر ہی اندر ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ غرض دنیوی لحاظ سے ایک شعلہ مارنے والی قبا تھی جو آپ کے لئے تیار کی گئی تھی۔ ایک گھڑی اور ایک ساعت راحت اور آرام کی آپ کے لئے میسر نہ تھی۔ حتیٰ کہ وفات کے وقت بھی آپ ایک بہت بڑے دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک جرّار لشکر کو بھیج رہے تھے۔ ان مصائب اور ان آلام کے ہوتے ہوئے اور شخص ہوتا تو پاگل ہو جاتا مگر آپ بہادری سے ان مشکلات کا مقابلہ کر رہے تھے۔ پس اگر عیاشی کے لئے نہیں تو غموں ہی کے کم کرنے کے لئے آپ شراب کی اجازت دے سکتے تھے۔ مگر آپ نے شراب کو حرام اور قطعاً حرام کر دیا۔ پس کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کو غم نہ تھے۔ اس لئے آپ نے شراب کو حرام کیا۔

عمدہ کھانے

پھر عیاش عمدہ کھانوں کا دلدادہ ہوتا ہے۔ عیاش لذیذ سے لذیذ اور مقوّی سے مقوّی کھانے کھاتے ہیں تا کہ شہوت پیدا ہو۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا یہ حال تھا کہ جس دن آپ فوت ہوئے اس دن شام کو آپ کے گھر فاقہ تھا۔ بعض اوقات آپ کو بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنا پڑا۔ آپ کے پاس جو کچھ آتا۔ اسلام کی ضرورتوں پر خرچ کر دیتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں بیسیوں وقت ایسے آئے کہ ہمیں کھانے کو کچھ نہ ملا۔ کئی وقت ایسے آئے کہ صرف کھجوریں کھا کر گذارہ کیا اور کئی وقت ایسے آئے کہ صرف پانی پی کر وقت

گذارا۔ جس شخص کے کھانے پینے کی یہ حالت ہو اسے کون عیاش کہہ سکتا ہے۔

عمدہ سامان

پھر عیاشی کے لئے عمدہ سامان جمع کئے جاتے ہیں۔ تا کہ عیاشی میں لذت پیدا ہو۔ مگر رسول کریم ﷺ کے گھروں کا یہ حال تھا کہ بعض گھروں میں صرف بھیڑ بکری کی ایک کھال تھی۔ جس پر میاں بیوی اکٹھے سو رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کہتی ہیں ہمارے گھر میں ایک ہی بستر تھا۔ اور ہمیں اکٹھے سونا پڑتا۔ جب رات کو رسول کریم ﷺ نماز کے لئے اٹھتے۔ تو اسی بچھونے پر نماز پڑھتے اور مجھے اپنی ٹانگیں اکٹھی کر لینی پڑتیں۔

باکرہ عورتیں

پھر عیاش باکرہ عورتوں کا دلدادہ ہوتا ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ نے بااختیار بادشاہ ہونے کی حالت میں کسی باکرہ سے شادی نہ کی۔ ہاں مکہ میں ایک باکرہ حضرت عائشہ سے شادی کی۔ مگر جب صاحب اختیار ہوئے تو ایک بھی نکاح کسی باکرہ سے نہ کیا۔ اگر آپ عیش پسند ہوتے تو کیا آپ باکرہ عورتوں سے شادی نہ کر سکتے۔ کئی باکرہ عورتوں نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش بھی کیا۔ مگر آپ نے کسی سے نکاح نہ کیا۔ بلکہ ان کا نکاح دوسروں سے کرا دیا۔

حسین عورت کی تلاش

پھر عیاش انسان پہلی عورت سے زیادہ حسین تلاش کرتا ہے۔ جو پہلی عورتوں سے زیادہ اس کی شہوات کو پورا کر سکے۔ مگر سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عائشہ کے درجہ کی آپ کی کوئی بھی بیوی نہ تھی۔ اگر آپ **نَعُوْذُ بِاللّٰهِ** عیاش ہوتے تو جو نکاح آپ نے بعد میں کئے وہ زیادہ حسین عورتوں سے کرتے۔ مگر ارونگ جیسا دشمن بھی آپ کے متعلق لکھتا ہے۔

Upon this wife thus chosen in the very Blossom of years, the Prophet dotted more than any of those whom he subsequently married. [۱۶]

یعنی اس طرح چنی ہوئی یہ بیوی (عائشہ رضی اللہ عنہا) جس سے آپ نے اس کے عنفوانِ شباب میں بیاہ کیا ہے ایسی تھی کہ جس پر نبی اپنی تمام دوسری بیبیوں سے جو بعد میں بیاہی گئیں فریفتہ تھا۔ یہ ایک دشمن اور سخت دشمن کی شہادت ہے۔ اگر **نَعُوْذُ بِاللّٰهِ** آپ عیاش ہوتے تو آپ عائشہؓ کے بعد ان سے زیادہ خوبصورت نہایت نوجوانی کی عمر کی بیویوں کو تلاش کرتے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اور ایسی عورتوں سے شادی کی جو عائشہ کا مقابلہ اپنی عمر اور اپنی ظاہری خوبی کے لحاظ سے نہیں کر سکیں اور ایسی حالت میں شادی کی۔ جب کہ آپ عائشہؓ کے والد کے

اخلاص اور خود ان کے زہد اور تقویٰ کی وجہ سے عائشہؓ سے کمال محبت رکھتے تھے کیا یہ عیاشی کہلا سکتی ہے۔

مزامیر

پھر عیاشی کے لئے مزامیر ضروری ہوتے ہیں۔ مگر رسول کریم ﷺ نے ان کے متعلق فرما دیا ہے کہ یہ شیطانی آلے ہیں۔ یاد رکھو کہ ایسے لوگ تو ہو سکتے ہیں جو عیاش نہ ہوں اور باجے سنیں مگر کوئی ایسا عیاش نہیں ہو سکتا جو مزامیر نہ سنتا ہو۔ مگر محمد ﷺ وہ انسان تھے جو مزامیر کو مٹانے والے تھے۔ اگر آپ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** عیاش ہوتے تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ ایسا کرتے۔

عورتوں کی خواہشوں کی پابندی

پھر عیاش انسان عورتوں کی خواہشوں کا پابند ہوتا ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ کا یہ حال تھا کہ جب خیبر کا علاقہ فتح ہوا اور وہاں کے ٹیکس کی ایک معقول رقم آنے لگی اور مسلمانوں کے گھروں میں دولت اور فراوانی آ گئی تو آپ کی بیویوں نے بھی جن میں سے اکثر آسودہ حال گھرانوں کی لڑکیاں تھیں۔ خواہش کی کہ ہم بہت تنگی میں گذارہ کرتی ہیں۔ اس وقت تو ہم نے اس وجہ سے کچھ نہیں کہا کہ روپیہ تھا ہی نہیں۔ لیکن اب جب کہ روپیہ آ گیا ہے اور سب لوگوں کو حصہ ملا ہے۔ ہماری آسودگی کا بھی انتظام ہونا چاہئے اور اس تنگ زندگی سے ہمیں بچانا چاہئے تو اس خواہش کے جواب میں وہ انسان جسے کہا جاتا ہے کہ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ** عیاش تھا اور عورتوں کی صحبت میں اس نے عمر گذاری جو جواب دیتا ہے اس کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں آیا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا۔ وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ [۱۷]

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے نبی ان بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کے مال اور زینت کے سامان کی خواہش رکھتی ہو تو آؤ تم کو مال دے دیتا ہوں۔ مگر اس حالت میں تم میری بیویاں نہیں رہ سکتیں۔ مال لے کر تم مجھ سے جدا ہو جاؤ۔ لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی محبت رکھتی ہو اور آخرت کی بھلائی چاہتی ہو تو پھر ان اموال کا مطالبہ نہ کرو۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان کے لئے جو پوری طرح خدا کے احکام کی پابندی کرنے والیاں ہوں گی بہت بڑے

اجر مقرر کر چھوڑے ہیں۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ میری زوجیت یا میری موجودگی میں تم کو مال نہیں مل سکتا۔ اگر میری زندگی میں مال لینا چاہتی ہو۔ تو طلاق لے لو۔ اور الگ ہو جاؤ کہ میری دینی ذمہ داریاں مالداروں کی زندگی کی برداشت نہیں کر سکتیں۔ لیکن اگر تم اس وقت صبر سے کام لو اور میرے ساتھ مل کر خدمت دین کو ترجیح دو۔ تو پھر بھی تم کو مال مل جائے گا مگر میری وفات کے بعد ملے گا۔ میری موجودگی میں نہیں۔ چنانچہ آپ کی بیویوں کو مال ملے اور بہت ملے مگر آپ کی وفات کے بعد۔ اب دیکھو کہ اس طرح عورتوں کی خواہشات کو ٹھکرا دینے والا کیا عیاش کہلا سکتا ہے اور کیا کوئی عیاش اپنی بیویوں کی مال و زینت کی خواہش سن کر انہیں کہہ سکتا ہے کہ زینت کے سامان چاہئیں تو طلاق لے لو۔

عورتوں میں بے انصافی

پھر عیاش انسان عورتوں میں بے انصافی کرتا ہے جسے خوبصورت سمجھے اس کی طرف زیادہ رغبت رکھتا ہے اور باقیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ کا یہ حال تھا کہ جب آپ بیمار ہوئے تو اس حالت میں بھی دوسروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس بیوی کے ہاں چلے جاتے جس کی باری ہوتی۔ وفات سے تین دن قبل تک ایسا ہی کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت فاطمہؓ رو پڑیں اور آپ کی بیویوں نے بھی کہا کہ آپ ایک جگہ ٹھہر جائیے۔ ہم بخوشی اس کی اجازت دیتی ہیں۔ تب آپ ایک جگہ ٹھہر گئے جو انسان بیویوں میں انصاف کرنے کا اس قدر پابند ہو کہ مرض الموت میں بھی دوسرے کے کندھوں کا سہارا لے کر ان کے ہاں باری باری جاتا ہو اسے کون عیاش کہہ سکتا ہے۔

عورتوں میں زیادہ وقت صرف کرنا

پھر عیاش اپنا زیادہ وقت عورتوں کی صحبت میں گزارتا ہے۔ مگر آپ کی یہ حالت تھی کہ صبح سے شام تک باہر رہتے اور رات کو جب گھر جاتے تو کھانا کھا کر لیٹ جاتے اور پھر رات کو اُٹھ کر عبادت کرتے۔ اس طرح بندھے ہوئے اوقات میں آپ کو عیاشی کے لئے کونسا وقت ملتا تھا۔

رسول کریم ﷺ کی شادیوں کی غرض

پس آپ کی کئی بیویوں کو دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ آپ عیاش تھے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ کس غرض کو مدنظر رکھ کر آپ نے شادیاں کیں۔ خدا کے لئے یا اپنے نفس

کے لئے۔ اگر خدا کے لئے کیں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کا زیادہ بیویاں کرنا عیاشی کی دلیل ہے۔ میں ثابت کر چکا ہوں کہ آپ کا ایک سے زیادہ بیویاں کرنا نفس کی خواہشات کے لئے نہ تھا۔ کیونکہ انہیں تو آپ نے پورا نہیں کیا۔ اس کی وجہ کوئی اور تھی اور وہ یہ تھی کہ آپ ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے جس کے مرد اور عورتیں سب شریعت سے بے خبر تھے۔ اس قوم میں آپ نے شریعت کو رائج کرنا تھا۔ پس آپ نے مختلف خاندانوں کی بیویوں سے شادیاں کیں۔ تا کہ وہ دین کے اس حصہ کو جو عورتوں سے تعلق رکھتا ہے سیکھ کر اپنی ہم جنسوں کو تعلیم دیں اور یہ ایک محض لِلّٰہی غرض تھی اور آپ کا زیادہ شادیاں کرنا اور ان میں انصاف قائم رکھنا ایک بہت بڑی قربانی تھا نہ کہ عیاشی۔

اور اب جب کہ میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ جس رنگ میں آپ نے عورتوں سے معاملہ کیا ہے وہ عیاشی نہیں بلکہ قربانی ہے۔ تو یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب کہ آپ نے اپنی امّت کے انہی لوگوں کو ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دی ہے جو آپ کی طرح عورتوں سے معاملہ کر سکیں تو اس حکم سے کسی ظلم کی بنیاد نہیں پڑی۔ بلکہ دنیوی ترقی کے لئے ایک بہت بڑی قربانی اور ملک کی اخلاقی درستی کے لئے ایک بہت بڑی تدبیر کے لئے دروازہ کھلا رکھا گیا ہے۔

غلامی

باقی رہا غلامی کا اعتراض۔ اس کے متعلق مجھے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اور بہت سے پہلوؤں پر بحث کا محتاج ہے۔ پس میں ایک صاف اور سیدھا طریق اس مسئلہ کے حل کرنے کے لئے اختیار کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے غلامی کو رائج کر کے دنیا پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آؤ آپ کی زندگی پر غور کر کے دیکھ لیں کہ کیا آپ غلاموں کے حامی تھے یا غلامی کے حامی۔ اور یہ بھی کہ غلام آپ کے دوست تھے یا آپ کے دشمن۔ کیونکہ ہر ایک قوم اپنے فوائد کو دوسروں کی نسبت زیادہ سمجھ سکتی ہے۔ پہلی بات کو معلوم کرنے کے لئے میں آپ کی جوانی کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ جب آپ کی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی ہے اس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی اور اس عمر میں انسان کا دماغ حکومت کے خیالات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے شادی کے بعد اپنا سب مال اور اپنے سب غلام آپ کے سپرد کر دیئے اور آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اب بتاؤ کہ یہ شخص جس نے جوانی کے ایام میں دولت ہاتھ آتے ہی یہ کام کیا ہے غلامی کا حامی کہلا سکتا ہے یا غلاموں کا۔

پھر ایک مثل مشہور ہے کہ ماں سے زیادہ چاہنے والی کُٹنی ۱۸ کہلائے۔

غلاموں کی رائے

اب سیدھی بات ہے کہ غلاموں سے زیادہ کسی کو ان کی آزادی کا خیال نہیں ہو سکتا۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ غلاموں کی رسول کریم ﷺ کے متعلق کیا رائے تھی۔ اگر غلام آپ کو اپنا محسن سمجھتے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ آپ غلاموں کے محسن تھے نہ کہ غلامی کے حامی۔

اس کے متعلق میں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جس سے ظاہر ہے کہ غلام آپ کے کیسے دلدادہ تھے۔ نبوت کی زندگی کے پہلے سات سال میں کل چالیس آدمی آپ پر ایمان لائے تھے۔ ان میں سے کم سے کم پندرہ غلام تھے یا غلاموں کی اولاد تھے۔ گویا کل مومنوں کی تعداد میں تینتیس فیصدی غلام تھے اور مکہ کی آبادی کا لحاظ رکھا جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی مومنوں سے نوے فیصدی غلام تھے۔ مکہ کی آبادی دس بارہ ہزار کی تھی۔ جس میں چالیس پچاس آدمی ایمان لائے تھے اور زیادہ سے زیادہ پانچ چھ سو غلام وہاں ہو گا۔ پس کیا یہ عجیب بات نہیں کہ دس بارہ ہزار میں سے تیں پینتیس آدمی ایمان لائے اور پانچ چھ سو آدمیوں میں سے پندرہ سولہ آدمی۔ کیا غلاموں کا اس کثرت سے آپ پر ایمان لانا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ غلام آپ کو اپنا رہائی دہندہ سمجھتے تھے۔

غلاموں کا تکلیفیں اٹھانا

یاد رکھنا چاہئے کہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لا کر جن لوگوں نے سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھائیں' وہ غلام ہی تھے۔

خبابؓ

چنانچہ خباب بن الارت ایک غلام تھے جو لوہار کا کام کرتے تھے۔ وہ نہایت ابتدائی ایام میں آپ پر ایمان لائے۔ لوگ انہیں سخت تکالیف دیتے تھے۔ حتّٰی کہ انہی کی بھٹی کے کوئلے نکال کر ان پر انہیں لٹا دیتے تھے اور اوپر سے چھاتی پر پتھر رکھ دیتے تھے تا کہ آپ کمر نہ ہلا سکیں۔ ان کی مزدوری کا روپیہ جن لوگوں کے ذمہ تھا وہ روپیہ ادا کرنے سے منکر ہو گئے۔ مگر باوجود ان مالی اور جانی نقصانوں کے آپ ایک منٹ کے لئے بھی متذبذب نہ ہوئے اور ایمان پر ثابت قدم رہے۔ آپ کی پیٹھ کے نشان آخر عمر تک قائم رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی حکومت کے ایام میں انہوں نے اپنے گذشتہ مصائب کا ذکر کیا تو انہوں نے ان سے پیٹھ دکھانے کو کہا۔ جب انہوں نے پیٹھ پر سے کپڑا اٹھایا تو تمام پیٹھ پر ایسے سفید داغ نظر آئے جیسے کہ برص کے داغ ہوتے ہیں۔

اب غور کرو اگر محمد ﷺ غلامی قائم کرنے کے لئے آتے تو چاہیے تھا کہ خباب آپ کی گردن کاٹنے کے لئے جاتا' نہ یہ کہ آپ کی خاطر گرم کوئلوں پر لوٹتا۔

زیدؓ پھر ایک اور غلام زید ابن حارثہ تھے۔ جو ایک عیسائی قبیلہ میں سے تھے۔ ان کو کسی جنگ میں قید کر کے غلام بنایا گیا تھا۔ وہ بِکتے بِکتے حضرت خدیجہ کے قبضہ میں آئے اور انہوں نے شادی پر سب جائیداد سمیت انہیں آنحضرت ﷺ کے سپرد کر دیا اور آپ نے انہیں آزاد کر دیا۔ جب ان کے رشتہ داروں کو پتہ لگا کہ وہ مکہ میں ہیں تو ان کا باپ اور چچا آئے اور رسول کریم ؐ سے کہا۔ ان کو آزاد کر دیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے آزاد کیا ہوا ہے۔ جہاں چاہے چلا جائے۔ اس پر اس کے باپ نے کہا چلو بیٹا۔ مگر انہوں نے کہا۔ آپ کی میرے حال پر بڑی مہربانی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ محمد ﷺ سے پیارا مجھے کوئی نہیں ہے۔ اس لئے میں انہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔

اب غور کرو ایک نوجوان پکڑا ہوا آتا ہے۔ ماں باپ کی یاد کے نقش اس کے دل پر جمے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر جب باپ آکر اسے کہتا ہے کہ ہمارے ساتھ چل تو وہ کہتا ہے مجھے محمد ﷺ کی صحبت سے اور کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ اس کے بعد وہ آپ کے دعویٰ کے وقت آپ پر ایمان لاتا ہے اور آخر ایک دن اپنے خون سے حق رفاقت ادا کرتا ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ فدائیت اور محبت ایک غلام کو اس شخص سے ہو سکتی تھی جو غلامی کا حامی تھا۔

بلالؓ ایک اور غلام تھے جن کا نام بلال تھا اور جو رسول کریم ﷺ کے جانی دشمن امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ وہ ابتدائی ایام میں ہی رسول کریم ﷺ پر ایمان لے آئے۔ امیہ انہیں جلتی ریت پر لٹا دیتا تھا اور توبہ کے لئے کہتا تھا۔ مگر وہ ایمان سے باز نہ آتے تھے۔ اب خدا را کوئی غور کرے کہ اگر رسول کریم ﷺ غلاموں پر ظلم کرنے والے ہوتے تو بلال امیہ جیسے دشمنِ رسول کے گھر میں رہ کر آپ کے خلاف کیا کیا شوخیاں نہ کرتے۔ وہ ایسے دشمن کے گھر میں ہو کر اور ہر قسم کی مخالف باتیں سن کر بھی آپ پر ایمان لاتے ہیں اور بڑی بڑی تکالیف اُٹھاتے ہیں۔ ان کا آقا اسی وجہ سے انہیں گرم ریت پر لٹا دیا کرتا اور وہ چونکہ عربی زبان زیادہ نہ جانتے تھے۔ اس لئے وہ زیادہ تو کچھ نہ کہہ سکتے مگر احد احد کہتے رہتے تھے۔ یعنی اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک ہے۔ اس پر ناراض ہو کر ان کا آقا انہیں اور تکالیف دیتا اور رسی ان کے پاؤں سے باندھ کر لڑکوں کے سپرد کر دیتا تھا وہ انہیں گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے حتیٰ کہ

بلال کی پیٹھ کا چمڑا اتر جاتا تھا۔ مگر رسول کریم ﷺ کی محبت کا نشہ پھر بھی نہ اترتا تھا اور جس ایمان کی حالت میں ان پر مار پڑنی شروع ہوتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ ایمان پر اس مار کا خاتمہ ہوا کرتا تھا۔

اب غور کرو یہ محبت اس کے دل میں کس طرح پڑ سکتی تھی۔ اگر وہ محمد ﷺ کو غلاموں کا حامی اور آزاد کرانے والا نہ سمجھتا۔ اس کے سوا وہ کونسی چیز تھی جو اسے آپ کے دشمن کے گھر میں رہ کر بھی آپ کی طرف مائل کر رہی تھی۔

سمیہ چوتھا شخص ایک عورت لونڈی تھی جن کا نام سمیہ تھا۔ ابو جہل ان کو سخت دکھ دیا کرتا تھا تاکہ وہ ایمان چھوڑ دیں لیکن جب ان کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی تو ایک دن ناراض ہو کر اس نے شرمگاہ میں نیزہ مار کر ان کو مار دیا۔ انہوں نے جان دے دی مگر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان کو نہ چھوڑا۔ اب سوچو کہ مرد تو مرد عورت لونڈیاں جو شدید ترین دشمنوں کے گھر میں تھیں انہوں نے کس قربانی کے ساتھ آپ کا ساتھ دیا ہے۔ اگر وہ یہ دیکھتیں کہ رسول کریم ﷺ غلامی کے دشمن نہیں اس کے حامی ہیں تو کیا صنف نازک میں سے ہوتے ہوئے وہ اس طرح آپ کے لئے اپنی جان قربان کر سکتی تھیں۔

عمارؓ پانچویں مثال عمار کی ہے جو سمیہ کے بیٹے تھے۔ انہیں جلتی ریت پر لٹایا جاتا تھا۔

صہیبؓ ایک غلام صہیب تھے جو روم سے پکڑے آئے۔ عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے۔ جنہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا وہ بھی رسول کریم ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کے لئے بہت سی تکالیف اٹھائیں۔

ابو فکیہہؓ ابو فکیہہ ایک غلام تھے وہ بھی رسول کریم ﷺ پر ابتدائی ایام میں ایمان لائے۔ انہیں بھی گرم ریت پر لٹایا جاتا۔ ایک دفعہ رسی باندھ کر انہیں کھینچا جا رہا تھا کہ پاس سے کوئی جانور گذرا۔ ان کے آقا نے ان کی طرف اشارہ کر کے انہیں کہا۔ یہ تمہارا خدا ہے انہوں نے کہا میرا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے۔ اس پر اس ظالم نے ان کا گلا گھونٹا اور پھر بھاری پتھر ان کے سینہ پر رکھ دیا۔ جس سے ان کی زبان باہر نکل آئی اور لوگوں نے سمجھا کہ مر گئے ہیں۔ دیر تک ملنے ملانے سے انہیں ہوش آئی۔

لبینہؓ لبینہ ایک کنیز تھیں۔ یہ بھی نہایت ابتدائی ایام میں اسلام لائیں حضرت عمرؓ اپنے

اسلام لانے سے پہلے انہیں اسلام کی وجہ سے تکلیف دیا کرتے تھے مگر یہ اپنے اسلام پر قائم رہیں۔

زنیرہؓ زنیزہ بھی ایک کنیز تھیں اور ابتدائی ایام میں ہی ایمان لائیں۔ حضرت عمرؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے انہیں ستایا کرتے۔ ابو جہل نے مار مار کر ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ مگر باوجود اس کے انہوں نے رسول کریم ﷺ کی رسالت کا انکار نہ کیا۔ ابو جہل اسے دیکھ کر غصہ سے کہا کرتا تھا کہ کیا ہم اتنے حقیر ہو گئے ہیں کہ زنیزہ نے تو سچا دین مان لیا اور ہم نے نہ مانا۔

نہدیہؓ اور اُمّ عبیسؓ اسی طرح نہدیہ اور اُمّ عبیس دو کنیزیں تھیں جو مکی زندگی میں اسلام لائیں اور دونوں نے اسلام لانے کی وجہ سے سخت مصائب برداشت کئے۔

عامرؓ عامر بن فہیرہ بھی ایک غلام تھے۔ جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے آزاد کر دیا۔ انہیں بھی اسلام لانے کی وجہ سے سخت تکالیف دی گئیں۔

حمامہؓ حمامہ بلالؓ کی والدہ تھیں۔ یہ بھی اسلام لائیں اور اسلام کی خاطر انہوں نے تکالیف اٹھائیں۔ ان کے علاوہ اور غلام اور لونڈیاں بھی تھیں جو آپ پر ایمان لائیں اور اس کی وجہ سے انہوں نے سخت تکلیفیں اٹھائیں۔

غرض رسول کریم ﷺ کی نبوت کے ابتدائی سات سالوں میں کل چالیس افراد نے آپ کو مانا۔ جن میں سے کم سے کم ۱۴' ۱۵ غلام تھے۔ اور انہوں نے آزاد لوگوں سے زیادہ تکالیف اٹھائیں اگر رسول کریم ﷺ غلامی قائم کرنے والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے دشمن ہوتے نہ کہ آپ پر ایمان لاتے۔

غیر مسلم غلاموں کی ہمدردی علاوہ ان غلاموں اور لونڈیوں کے جو آپ پر ایمان لائے۔ مکہ کے اکثر غلام اور لونڈیاں آپ سے ہمدردی رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کی موجب بھی ان کی ایک غیر مسلمہ لونڈی ہی تھی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ ابو جہل نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیں اور مارنے کے لئے اٹھا اور آپ کو بہت تکلیف دی۔ حضرت حمزہؓ جو رسول کریم کے چچا تھے اور ابھی ایمان نہ لائے تھے ان کی ایک لونڈی دیکھ رہی تھی۔ اسے بہت صدمہ ہوا اور سارا دن کُڑھتی رہی۔

جب حضرت حمزہؓ گھر آئے تو کسی بات کا بہانہ ڈھونڈ کر اس نے طعنہ دیا کہ بڑے بہادر بنے پھرتے ہو۔ دیکھتے نہیں تمہارے بھتیجے کو ابو جہل نے کس طرح دکھ دیا ہے۔ حضرت حمزہؓ شکار کے شائق تھے اور ادھر ادھر پھرنے میں وقت گذارتے تھے۔ اور حالات سے زیادہ واقف نہ تھے۔ لونڈی سے یہ بات سن کر ان کا دل اندر ہی اندر گھائل ہو گیا۔ واقعہ کی تفصیل سنی اور غیرت سے بے تاب ہو کر باہر نکل آئے۔ مجلسِ کفار میں آئے۔ ہاتھ میں تیر کمان تھا۔ لونڈی نے کچھ اس طرح واقعہ بیان کیا تھا کہ درد اور غصہ دونوں جذبات بے طرح[۱۹] جوش میں تھے۔ اور بات کرنے کی طاقت نہ تھی۔ مجلس میں آکر ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور کمان پر سہارا لگا لیا۔ بار بار بات کرنا چاہتے تھے مگر شدّتِ غم سے منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ اسی طرح کھڑے تھے کہ ابو جہل کی نگاہ پڑ گئی اور وہ بولا خیر ہے حمزہ تم تو اس طرح کھڑے ہو جس طرح انسان لڑائی پر آمادہ ہوتا ہے۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ یہ ٹوٹ پڑے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا کہ ظالم تیرے ظلموں کی کوئی انتہا بھی ہے تو نے محمد (ﷺ) کو حد سے بڑھ کر ستایا ہے۔ لے میں بھی مسلمان ہوتا ہوں اگر طاقت ہے تو آ مجھ سے لڑ لے۔ ابو جہل بھی مکہ کا سردار تھا' اٹھ کر چمٹ گیا۔ لیکن ارد گرد کے لوگوں نے دیکھا کہ یہ جھگڑا مکہ کو بھسم کر دے گا' صلح کرا دی۔ اور اس دن سے حضرت حمزہ کو اسلام کی طرف توجہ ہو گئی۔ ایک دو دن کے غور کے بعد فیصلہ کر لیا کہ اسلام سچا ہے اور اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔

اسی طرح جب رسول کریم ﷺ طائف گئے اور وہاں سے زخمی ہو کر واپس آئے تو ایک غلام نے ہی آپ سے ہمدردی کی اور آپ کی حالت کو دیکھ کر روتا رہا۔

بات یہ ہے کہ سب غلام جانتے تھے کہ آپ ان کو آزاد کرانے کے لئے آئے ہیں نہ کہ ان کی غلامی کی زنجیروں کو اور مضبوط کرنے کے لئے۔ اس لئے وہ سب آپ سے محبت رکھتے تھے اور آپ سے ہمدردی رکھتے تھے اور ان کا شروع زمانہ میں ایمان لانا اور سخت تکالیف اٹھانا اور آخر تک ساتھ دینا اس امر کا ثبوت ہے کہ مکہ کے تمام غلام اور تمام لونڈیاں اس امر کو سمجھتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم غلاموں کو آزاد کرانے والی ہے۔ تبھی ان میں سے سب کے سب جو سمجھدار تھے آپ پر ایمان لائے۔ یا اگر اس کی جرأت نہ کر سکے تو آپ کی مدد کرتے رہے اور آپ سے اظہار ہمدردی کرتے رہے اور کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جن لوگوں کا معاملہ ہے وہ تو رسول کریم ﷺ کو غلاموں کا آزاد کرانے والا قرار دیتے ہیں اور جو لوگ نہ

اس وقت تھے اور نہ ان کو غلامی سے کچھ تعلق ہے اور نہ انہوں نے غلاموں کے آزاد کرانے میں کبھی بھی کوئی حصہ لیا ہے۔ وہ غلامی کے متعلق آپ پر اعتراض کرتے ہیں۔

اس عملی کام کے علاوہ اس امر پر بھی غور کرنا چاہئے کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ سے پہلے غلامی کا رواج تھا اور کوئی ملک غلامی سے پاک نہ تھا۔ ہندوستان میں مجھے نہیں معلوم دوسری قسم کی غلامی تھی یا نہ تھی۔ مگر اچھوت اقوام سب کی سب غلام ہی ہیں وہ اعلیٰ پیشوں سے محروم ہیں اور ان کا فرض ہی برہمنوں کی خدمت مقرر کیا گیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دوسرے لوگوں میں غلاموں کو کھانا کپڑا دینے کا رواج تھا۔ یہاں جن لوگوں نے غلامی کا رواج دیا تھا۔ انہوں نے کھانے کپڑے سے بھی دست برداری دے دی تھی اور غلام کا فرض مقرر کیا تھا کہ وہ اپنے لئے بھی کمائے اور برہمنوں کی بھی خدمت کرے۔ ایران اور روم بھی غلامی میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان ممالک کے لوگوں نے غلامی کے دُور کرنے کا کیا علاج مقرر کیا تھا، کچھ بھی نہیں۔ یہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین تھا جس نے یہ قانون بنایا کہ ہر آزاد کو قید کرنے والا قتل کا مجرم سمجھا جائے گا۔ پھر یہ شرط لگائی کہ غلام بنانا صرف اس جنگ میں جائز ہے جو جنگ کہ دشمنِ اسلام صرف اس لئے کریں کہ مسلمانوں سے تلوار کے زور سے اسلام چُھڑوائیں۔ حالانکہ اس تعلیم سے پہلے تمام ممالک میں سیاسی جنگوں کے قیدیوں کو بھی غلام بنایا جاتا تھا۔ پھر یہ شرط لگا دی کہ ایسی مذہبی جنگ میں بھی جو قید ہو اس کے ساتھ وہی سلوک کرو جو اپنے گھر کے لوگوں سے کرتے ہو۔ جو کھاتے ہو وہ کھلاؤ، جو پیتے ہو وہ پلاؤ، جو پہنتے ہو وہ پہناؤ۔ پھر یہ شرط کی کہ باوجود اس خاطر کے ہر اک غلام کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ جب وہ چاہے آزاد ہو جائے۔ ہاں چونکہ وہ ایک ظالمانہ جنگ میں شریک ہوا ہے۔ اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی لیاقت کے مطابق خرچ جنگ ادا کر دے یا اس کے رشتہ دار کر دیں۔ پھر یہ شرط لگا دی کہ اگر غلام کے رشتہ دار یا اہل ملک اس کو نہ چُھڑوا سکیں اور اس کے پاس روپیہ نہ ہو تو ہر غلام کا حق ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں آزاد ہونا چاہتا ہوں اور اس کا آقا مجبور ہوگا کہ اس کی طاقت کے مطابق خرچ جنگ اس پر ڈال دے اور اسے نیم آزاد کر دے کہ وہ اپنی کمائی سے قسط وار روپیہ ادا کر کے اپنے آپ کو آزاد کرائے اور جس وقت یہ قسط مقرر ہو، اسی وقت سے غلام کو عملاً آزادی حاصل ہو جائے۔ پھر یہ حکم دیا کہ جو غلام کو مارے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا غلام آزاد سمجھا جائے۔ پھر کئی گناہوں کا کفارہ غلاموں کو آزاد کرنا مقرر کیا تا کہ جو کوئی

غلام رہ جائے وہ اس طرح آزاد ہو جائے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں کی۔ آخر یہ بھی حکم دے دیا کہ حکومت کے مال میں غلاموں کا بھی حق ہے حکومت کو چاہئے کہ ایک رقم ایسی مقرر کرے جس سے وہ غلام آزاد کراتی رہے۔ اب سوچو کہ غلامی تو ہر ملک میں رسول کریم ﷺ سے پہلے ہی پائی جاتی تھی۔ آپ نے تو جاری نہیں کی۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ یہ کیا کہ اس کا دائرہ محدود کر دیا۔ اور پھر ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ عملاً غلام آزاد ہی ہو جائیں۔ مگر باوجود اس کے اگر اسلام کے ابتدائی زمانہ میں غلام باقی رہ گئے تھے تو اس کی صرف اور صرف یہ وجہ تھی کہ اسلامی احکام کے ماتحت ان سے آقا ویسا ہی سلوک کرنے پر مجبور تھا جیسے کہ اپنے نفس یا اپنے عزیزوں سے وہ کرتا تھا۔ اور غریب غلام جانتے تھے کہ ایک مسلمان کا غلام رہ کر اگر ان پر سو دو سو یا ہزار دو ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے' تو آزاد رہ کر وہ سات آٹھ روپیہ سے زیادہ نہ کما سکیں گے اور اس میں انہیں اپنا کنبہ پالنا پڑے گا۔ پس بہت سے تھے جو اس غلامی میں آزادی سے زیادہ آسائش پاتے تھے اور اسلامی احکام سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی تنگ حالت کو بدلنا نہیں چاہتے تھے۔ پس رسول کریم ﷺ غلامی کے قائم کرنے والے نہیں تھے۔ بلکہ غلامی کے مٹانے والے تھے اور آپ سے بڑھ کر غلامی کے مٹانے میں اور کسی نے حصہ نہیں لیا۔ بلکہ آپ کے کام سے ہزارواں حصہ کم بھی کسی نے کام نہیں کیا۔

رسول اللہؐ کے احسانات

اب میں آپ کے احسانات کی طرف آتا ہوں۔ لیکن احسانات بیان کرنے سے پہلے میں ایک واقعہ بیان کر دیتا ہوں جو احسانات اور قربانیوں دونوں کے متعلق کام آئے گا۔ یہ واقعہ مکہ کا ہے۔ عُتبہ جو ایک بڑا سردار تھا' آپ کے پاس آیا اور آکر کہنے لگا۔ کیا تمہیں یہ اچھا لگتا ہے کہ آپس میں خونریزی ہو اور بھائی بھائی سے جُدا ہو جائیں۔ اگر نہیں تو میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں' اسے مان لو۔ وہ تجویز یہ ہے کہ تمہاری کوئی نہ کوئی غرض ہے۔ اگر تمہیں مال حاصل کرنے کی خواہش ہے تو ہم سب اپنے اموال کا ایک حصہ تمہیں دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس طرح تم بہت بڑے مالدار بن جاؤ گے۔ اور اگر اس بات کی خواہش ہے کہ حکومت حاصل ہو تو ہم سب اس بات کے لئے تیار ہیں کہ تمہیں اپنا سردار بنائیں۔ اور اگر خوبصورت عورت چاہتے ہو تو جس عورت کو پسند کرو وہ ہم تمہیں دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر تم بیمار ہو تو بھی

بتاؤ کہ ہم علاج کے لئے بھی تیار ہیں۔ غرض عزت چاہتے ہو تو عزت دینے کیلئے تیار ہیں' اگر بادشاہت چاہتے ہو تو بادشاہت دینے کے لئے' اگر عورت چاہتے ہو تو عورت دینے کے لئے اور بیمار ہو تو علاج کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ مگر تم یہ کہنا چھوڑ دو کہ خدا ایک ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا مجھے تمہاری ان چیزوں کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں۔ میرا جواب سنو۔ یہ فرما کر آپ نے چند آیات قرآن کی تلاوت فرمائیں جن میں توحید کی تعلیم تھی۔ ان آیات کو سن کر عتبہ پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے واپس جا کر کہا یہ نہ جھوٹا ہے اور نہ ساحر ہے' اس کی مخالفت چھوڑ دو۔

احسانات کی قسمیں

اب میں آپ کے احسانات کا ذکر کرتا ہوں۔ احسان کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک احسان وقتی ہوتے ہیں اور دوسرے لمبے عرصہ کے لئے۔ پھر آگے ان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) طبعی یعنی فطرت کے تقاضا کے ماتحت۔ جیسے ماں کے دل میں بچہ کی خدمت کا تقاضا ہوتا ہے۔ (۲) عقلی یعنی ایسا احسان جو عقل کے تقاضا کے ماتحت ہو۔ مثلاً ایک مظلوم کو دیکھ کر رحم آجانا اور اس پر احسان کرنا۔ یا ایک شخص کو جاہل دیکھ کر اس پر رحم کر کے اسے علم پڑھا دینا۔

پھر آگے عقلی احسان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایسا احسان جس کا بدلہ لینے کی امید ہوتی ہے۔ مثلاً کسی کو علم پڑھاتے ہیں تو امید ہوتی ہے کہ وہ ہمارے خیالات کی آگے اشاعت کرے گا۔ (۲) طبعی عقل یعنی خواہشِ احسان تو بوجہ دلیل اور عقل کے ہوتی ہے مگر وہ اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ طبعی کی طرح ہو جاتی ہے۔ انسان احسان کرنے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔ اس کی آگے پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ احسان جو اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے بغیر کیا جاتا ہے۔ جیسے کسی کے پاس مال ہو اور وہ کسی پر احسان کر کے اسے کچھ مال دے دے۔ دوسری قسم کا احسان یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر دوسرے پر احسان کرتا ہے۔ مثلاً کسی کے گھر آگ لگی ہے۔ اس میں کُود کر اس کے مال کو یا اس کے گھر کے لوگوں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ احسان کی قسمیں ہیں۔ ان کو مدنظر رکھ کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ رسول کریم ﷺ نے صرف احسان ہی نہیں کیا۔ بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ احسان کیا ہے۔ مثلاً آپ کے احسانات صرف عارضی نہیں ہیں' اکثر دائمی ہیں۔ اور پھر آپ کے احسانات صرف ان لوگوں تک محدود نہیں ہیں جو آپ کے رشتہ دار تھے۔ بلکہ آپ کے احسانات اپنے دوستوں

سے نکل کر واقفوں اور ان سے بھی گذر کر ناواقفوں تک پھیل گئے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ کے احسانات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی نفع کی آپ کو امید نہ تھی بلکہ وہ ایسے ہی طبعی تھے۔ جیسے کہ ماں اپنے بچہ سے حسن سلوک کرتی ہے اور پھر صرف انتہائی جوش کے ماتحت اور عام احسان ہی آپ نے نہیں کئے بلکہ ساتھ اس کے یہ بات تھی کہ آپؐ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر وہ احسانات کئے ہیں اور ان کے بدلہ میں خطرناک سے خطرناک مشکلات میں اپنی جان کو ڈالا ہے۔ پس احسان کی تمام اقسام میں سے بہتر سے بہتر اقسام کا ظہور آپ سے ہوا ہے اور ایسے رنگ میں ہوا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی اب میں آپ کے احسانات کی چند مثالیں بیان کرتا ہوں تا معلوم ہو سکے کہ آپ کے احسان کس اعلیٰ شان کے تھے۔

شرک کو دور کرنا

پہلا احسان آپ کا شرک کو دور کرنا ہے۔ آپ نے ایک خدا کی پرستش دنیا میں قائم کی۔ اب تو سب دنیا اس بات کی قائل ہو رہی ہے کہ شرک بُرا ہے۔ مگر جب آپ مبعوث ہوئے تھے اس وقت قائل نہ تھی۔ آپ نے سارے ملک کو اپنا دشمن بنا کر اور سخت سے سخت تکالیف برداشت کر کے اس صداقت کو قائم کیا اور نہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کو بلکہ بعد میں آنے والے لوگوں کو بھی اپنا ممنون احسان کیا۔ یہ احسان صرف مذہبی پہلو سے ہی نہیں ہے بلکہ اس کا ایک دنیوی پہلو بھی ہے اور یہ احسان دنیا کی دنیوی ترقی میں بھی ممد ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ اگر لوگ ان چیزوں کو جنہیں خدا تعالیٰ نے ہمارے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے خدا سمجھنے لگیں تو کبھی بھی ان کے طبعی فوائد پر غور نہیں کریں گے اور ان کو استعمال کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ لیکن جب لوگ ایک خدا کے قائل ہونگے اور سب مخلوق کو انسان کے فائدہ کے لئے قرار دیں گے تو پھر ان کے فوائد کو حاصل کرنے اور ان کو اپنی خدمت میں لگانے کی بھی کوشش کریں گے اور اس طرح سائنس اور علم کی بھی ترقی ہوگی۔ پس رسول کریم ﷺ نے شرک کو دور کر کے اور توحید کی تعلیم دے کر نہ صرف ایک عظیم الشان مذہبی احسان دنیا پر کیا ہے بلکہ علمی ترقی کا بھی رستہ کھول دیا ہے۔

مذہب اور سائنس میں صُلح

دوسرا احسان آپ کا یہ ہے کہ آپ نے مذہب اور سائنس کی لڑائی کو دور کر دیا ہے۔ آپ سے پہلے لوگ سمجھتے تھے علم پڑھنے سے مذہب جاتا رہتا ہے۔ رسول کریم ﷺ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ خیال قائم کیا کہ مذہب خدا کا کلام ہے اور دنیا خدا کا فعل ہے۔ آگ جو جلاتی ہے تو اسے بھی خدا نے

پیدا کیا ہے، جس طرح اس نے اپنا کلام نازل کیا ہے۔ پس اگر مثلاً گرمی کے خواص پر غور کیا جائے تو یہ خدا تعالیٰ کے فعل پر غور ہو گا نہ کہ مذہب کے مخالف۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب اور سائنس میں صلح کرا دی اور آپ نے فرمایا **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ** [۲۰] علم مذہب کے خلاف نہیں۔ میرے ہر ماننے والے پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت فرض ہے کہ علم پڑھے۔ اس وقت غیر مذاہب والے کہتے ہیں کہ مسلمان جاہل ہیں۔ مگر یہ ہمارا قصور ہے۔ ہمارے رسول کا نہیں ہے۔ اس اعتراض سے ہم شرمندہ ہوتے ہیں اور ہماری آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔ مگر اس سے ہمارے رسول پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ اُس وقت جب کہ مکہ والے علم حاصل کرنا ذلت سمجھتے تھے اور سارے مکہ میں صرف سات آدمی پڑھے لکھے تھے اور ان کو بھی صرف سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے علم پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ آپ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ** پڑھنا لکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

پس اگر آج کل مسلمان جاہل ہیں تو یہ قصور ہمارا ہے۔ ہمارے آقا کا نہیں ہے۔ اس نے یہی تعلیم دی ہے کہ علم سیکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے پچھلے علوم کو قائم رکھا اور نئے علوم کی بنیاد ڈالی جن سے آج دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اگر مسلمان پہلے علوم کی حفاظت نہ کرتے تو ارسطو کا فلسفہ اور بقراط کی حکمت آج کوئی نہ معلوم کر سکتا۔ مسلمانوں نے ان کی کتب کے ترجمے کرائے اور جب کہ ان حکماء کے اپنے اہل وطن ان سے غافل ہو گئے تھے ان کے درس اپنی یونیورسٹیوں میں جاری کئے اور ان کتب کو محفوظ کر دیا اور پھر ان کے ذریعہ سے یہ علوم اور خود مسلمانوں کے ایجاد کردہ علوم سپین میں پہنچے اور اس وقت جب کہ مسیحی علماء علوم کو پڑھنا کفر قرار دے رہے تھے جس طرح کہ آج کل بعض لوگ علوم جدیدہ کا پڑھنا کفر قرار دے رہے ہیں۔ مسلمانوں کے ذریعہ سے یورپ کے نوجوانوں نے علوم کو سیکھا اور پھر ان پر مزید ترقی کر کے آج کل کے علوم کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ایک یورپین مصنّف لکھتا ہے کہ اہل یورپ کب تک دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکتے اور یہ کہتے رہیں گے کہ مسلمانوں نے علم کی خدمت نہیں کی حالانکہ واقعہ یہ ہے اگر سپین میں مسلمانوں کے ذریعہ علوم نہ پہنچتے تو ہم آج جہالت کی نہایت ابتدائی حالت میں ہوتے۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ دنیا میں علوم کی ترقی کا وہ تسلسل قائم رہا ہے جس کے بغیر علمی ترقی بالکل

ناممکن تھی۔

علم ختم نہیں ہوتا

تیسرا احسان آپ کا یہ ہے کہ آپ نے بہ زور اس امر کی تعلیم دی کہ علم کبھی ختم نہیں ہوتا۔ دنیا میں لوگ ایک حد تک ترقی کر کے جب یہ کہتے ہیں کہ اب ترقی نہیں ہو سکتی تو علم مٹنا شروع ہو جاتا ہے اور تمام علوم اور قوموں کے تنزل کا موجب ہی یہ ہے کہ ایک حد تک پہنچ کر یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ اس سے اوپر اور کیا ترقی ہوگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے اس خطرناک مرض کو معلوم کیا اور دنیا کے سامنے پیش کر کے اس سے اسے بچایا اور بڑے زور سے تعلیم دی کہ علم خواہ کوئی ہو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ پس ہمیشہ علم کی تحقیق کرتے رہو اور کبھی کسی جگہ پر ٹھہر نہ جاؤ یہ کتنا بڑا نکتہ ہے۔ ہم لوگ اپنے ایمان کے لحاظ سے یہی مانتے ہیں کہ آپ سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ سے بڑھ کر نہ کوئی عالم ہوا اور نہ ہوگا۔ مگر آپ بھی یہ دعا کیا کرتے تھے کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا [۲۱] اے خدا میرا علم اور بڑھا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی علم کے انتہائی مقام کو نہیں پہنچ سکے اور خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے غیر محدود راستوں پر برابر آگے ہی آگے بڑھتے رہنے اور ہمیشہ اضافۂ علم کی خواہش آپ کے دل میں موجزن رہی۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو علم روحانی کے مکمل کرنے والے تھے دعا کرتے رہے کہ ان کا علم اور بڑھے تو کونسا علم ہو سکتا ہے جو ختم ہو جائے اور کونسا شخص ہو سکتا ہے جو کسی علم کو ختم کر لے۔ اور جب علم کی حد کوئی نہ رہی تو معلوم ہوا کہ اہل علم کا یہ فرض ہے کہ اپنے اپنے شُعبہ میں ہمیشہ مزید ترقی کے لئے کوشش کرتے رہا کریں اور کسی مقام پر پہنچ کر یہ خیال نہ کریں کہ اب ترقی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہمیشہ ترقی ہوتی رہے گی اور نئے علوم نکلتے رہیں گے اور ایجادات ہوتی رہیں گے۔

ہر مرض کی دوا

جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ احسان کیا ہے کہ علوم کسی مقام پر ختم نہیں ہوتے۔ اسی طرح آپ کا یہ بھی احسان ہے کہ آپ نے یہ تعلیم دی کہ ہر اک انسانی ضرورت کا خدا تعالیٰ نے علاج مقرر کیا ہے اور کوئی ضرورت حقہ نہیں جس کے پورا کرنے کا سامان نہ موجود ہو چنانچہ آپ فرماتے ہیں لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ [۲۲] ہر مرض کا علاج خدا تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے یہ تعلیم آپ نے اس وقت دی تھی جب کہ طب میں ہزاروں بیماریوں کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ان کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اور آج بھی جب کہ طب اتنی ترقی کر گئی ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ کئی بیماریوں کا کوئی علاج نہیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ملک

میں پیدا ہو کر جہاں کوئی طبیب نہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ کوئی بیماری ایسی نہیں جس کی دوا نہ ہو۔ تجسّس کرو علاج پالو گے۔ آپ کے اس حکم کے ماتحت مسلمانوں نے علم طب کی طرف توجہ کی اور بیسیوں بیماریوں کا علاج معلوم کر لیا۔ اور اب یورپ کے اطباء اس تعلیم کی صداقت کو ثابت کر رہے ہیں کہ مختلف لاعلاج سمجھی جانے والی بیماریوں کا علاج تلاش کر رہے ہیں اور کئی بیماریوں کا علاج دریافت کر چکے ہیں۔ یہ تعلیم صرف امراض ہی کے متعلق نہیں بلکہ دوسری ضروریات کے متعلق بھی ہے اور اس اصل پر عمل کرنے والے ہمیشہ کامیابی کا منہ دیکھتے رہیں گے۔

اخلاقی ترقی کا گُر

پانچواں احسان آپ کی وہ تعلیم ہے جو آپ نے اخلاقی ترقی کے متعلق دی ہے اور جس سے بدی کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان خواہ کیسی گندی حالت میں پہنچ جائے یہ نہ سمجھے کہ وہ نیک نہیں بن سکتا۔ اس تعلیم کے ذریعہ سے رسول کریم ﷺ نے مایوسی اور ناامیدی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔ آپ نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر فرمایا۔ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ [۲۳] کہ خدا کی رحمت سے سوائے انکار کرنے والے کے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

اب دیکھو اس اصل کے ماتحت کس حد تک امید کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ عام طور پر بدی اسی طرح پھیلتی ہے کہ جو شخص بدیوں میں مبتلا ہو چکا ہو۔ وہ سمجھتا ہے کہ اتنی بدیاں کر لی ہیں تو اب میں کہاں نیک بن سکتا ہوں اور جب وہ یہ رائے قائم کر لیتا ہے تو وہ بدیوں میں بڑھتا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ خواہ اس سے کتنی ہی بدیاں سرزد ہو چکی ہیں۔ وہ نیک ہو سکتا ہے اور واپسی کا راستہ اس کے لئے بند نہیں ہے تو اس کے نیک بن جانے کا ہر وقت احتمال ہے۔

سچے دل سے جستجو کرنے والا ضرور کامیاب ہو جاتا ہے

مذکورہ بالا اصل کے ماتحت ہی رسول کریم ﷺ کا دنیا پر یہ بھی احسان ہے کہ آپ نے یہ تعلیم دی ہے کہ سچی جستجو کبھی ضائع نہیں جاتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ یہ تعلیم دیا کرتے تھے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا [۲۴] یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ہمارے ملنے کے لئے کوشش کریں گے ہم ضرور ان کو ہدایت دے دیں گے۔ یعنی جو بھی سچے دل سے جستجو کرے گا وہ خدا کو پالے گا۔ یہ

اور بات ہے کہ کس طرح سے خدا تعالیٰ ہدایت دے مگر دے گا ضرور۔ اور یہ کہنا کہ سکھ یا ہندو یا عیسائی کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ بالکل غلط ہے۔ طلبِ ہدایت کے متعلق ہر اک کی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر کوئی سچے دل سے جستجو کرے تو ضرور اسے سیدھا رستہ دکھایا جائے گا۔ اور جب اس کی دعا اپنی حد کو پہنچ جائے گی تو خدا تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے گا جن کی مدد سے وہ کشاں کشاں اس راستہ پر پڑ جائیں گے۔ جس پر چل کر خدا تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔

مساوات

چھٹا احسان رسول کریم ﷺ کا یہ ہے کہ آپ نے قومی امتیازات کو مٹا کر انسانی مساوات کو قائم کیا ہے۔ آپ سے پہلے ہر قوم اپنے آپ کو اعلیٰ قرار دیتی تھی۔ عرب تحقیر کے طور پر کہتے کہ عجمی جاہل ہیں۔ ان کی ہمارے مقابلہ میں کیا حقیقت ہے۔ عجمی عربوں کے متعلق کہتے تھے کہ عرب وحشی ہیں۔ رومی کہتے تھے کہ ہم سب سے اعلیٰ ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا **لَيْسَ لِلْعَرَبِيِّ فَضْلٌ عَلٰى عَجَمِيٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰى** [۲۵] اے عربو! یاد رکھو۔ تم کو دوسروں پر کوئی فضیلت نہیں دی گئی۔ تم بھی ویسے ہی ہو جیسے اور ہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ تم خدا کے خوف میں دوسروں سے بڑھ جاؤ اور یہ فضیلت نسل کی وجہ سے نہ ہوگی بلکہ تقویٰ کی وجہ سے۔

اگر رسول کریم ﷺ کسی غیر قوم کے لوگوں کو یہ تعلیم دیتے کہ تمہیں دوسروں پر کوئی فضیلت نہیں ہے تو کہا جا سکتا کہ اپنی قوم کو بڑھانے کے لئے ایسا کہہ رہے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص چوہڑوں اور چماروں میں سے کھڑا ہو کر کہے۔ کہ اے پنڈتو اور برہمنو! تم کو کسی اور قوم پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ تعلیم مساوات قائم کرنے کیلئے نہیں بلکہ اپنی عزت قائم کرنے کے لئے ہے۔ لیکن اگر کوئی سید کھڑا ہو کر سیدوں کو کہے کہ تمہیں دوسروں پر انسان ہونے کے لحاظ سے کوئی فضیلت نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ وہ اپنی قوم کو ایک سچی تعلیم دے کر ان پر احسان کر رہا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے حکم کو دیکھو آپ نے ایسے ہی الفاظ میں نصیحت کی ہے جو آپ کی قوم کے درجہ کو گراتے ہیں نہ یہ کہ اوروں کے درجہ کو گرا کر اپنی قوم کا درجہ بڑھاتے ہیں۔ پس آپ کی تعلیم حقیقی مساوات کی تعلیم تھی۔ آپ یہ نہیں فرماتے کہ اے عجمیو! تم رومیوں یا عربوں سے بڑے نہیں ہو۔ بلکہ اپنی قوم کو کہتے ہیں کہ تم دوسروں پر فضیلت کا دعویٰ نہ کیا کرو پس آپ کی تعلیم مساوات کی تعلیم کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی اور بنی نوع انسان پر ایک عظیم الشان احسان تھا۔

اسی ضمن میں آپ نے خدا تعالیٰ سے حکم پا کر کہا۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍوَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ[۲۶] تُو کہہ دے کہ قومیں اس لئے بنائی گئی ہیں کہ اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے مقابلہ کریں جس طرح دو مقابل کی ٹیمیں ہوتی ہیں۔ قومی مساوات کے ساتھ ساتھ آپ نے تمدنی درجہ میں بھی سب کو برابر کر دیا اور فرمایا سوائے ایسی قوموں کے جن کو حرام و حلال کا پتہ نہیں ہے باقیوں سے مل کر تم کھا پی سکتے ہو یعنی جو صاف ستھرے لوگ ہوں یا جن کے ہاں کوئی معیار حلال و حرام کے لئے مقرر ہو۔ ان سے کھانا پینا منع نہیں ہے۔

احکامِ انصاف میں مساوات

اسی طرح احکام انصاف میں برابری رکھ کر آپ نے مساوات کو قائم کیا۔ خواہ کسی سے لڑائی ہو تو بھی اس کے متعلق انصاف کو قائم رکھا جائے گا۔ مثلاً کسی مسلمان کی کسی یہودی سے لڑائی ہو تو اس لڑائی میں مسلمان کو کوئی ترجیح نہ دی جائے گی۔ نہ معاملات میں اپنی قوم کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسے مثلاً یہودیوں میں حکم ہے کہ یہودی سے سود نہ لو۔ مگر غیر سے لے لو۔ رسول کریم ﷺ نے فرما دیا ہے سب بندے برابر ہیں نہ کسی مسلمان سے سود لو نہ کسی اور سے۔ اگر سود ظلم ہے تو ایک یہودی سے لینا ایسا ہی برا ہے جیسا کہ مسلمان سے۔

مساوات کا ایک بے نظیر سبق

اسی طرح آپ نے فرمایا ہے۔ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا[۲۷] اے مسلمان تو اپنے بھائی کی مدد کر۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ یہ سن کر صحابہ حیران رہ گئے کہ مظلوم کی تو مدد کی جا سکتی ہے۔ ظالم کی کیا مدد کی جائے اور انہوں نے کہا مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آ گیا مگر ظالم کی کس طرح مدد کی جائے۔ آپ نے فرمایا۔ ظالم کی مدد اس طرح کرو کہ اسے ظلم سے روک دو۔

یہ واقعہ نہ صرف اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ نے انصاف اور مساوات کو قائم کیا ہے اور معاملات میں سب انسانوں کو برابر کیا ہے' یہ تعلیم نہیں دی کہ ہر حالت میں اپنے بھائی کا ساتھ دو بلکہ یہ تعلیم دی ہے کہ اگر بھائی ظلم کرے تو یہ خیال کر کے کہ اس کا مقابل غیر ہے بھائی کی مدد نہ کرو بلکہ ایسے وقت میں بھائی کی مدد یہی ہے کہ اس کا ہاتھ ظلم سے روکو کہ خدا کی نظر میں سب برابر ہیں۔ بلکہ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی نہایت مقدس اور پاک تھی۔ اگر نَعُوْذُ بِاللّٰهِ رسول کریم ﷺ ظالم ہوتے اور دوسروں کو نقصان پہنچانا

جائز سمجھتے تو جب آپ نے یہ فرمایا تھا۔ اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوْماً۔ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم۔ تو اس وقت مسلمان حیران کیوں رہ جاتے اگر انہیں ظلم کی تعلیم دی جاتی تھی تو ان کے حیران رہ جانے کا کوئی موقع نہ تھا۔ وہ تو ایسی تعلیم کے سننے کے عادی تھے۔ لیکن وہ حیران ہوئے اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ انہیں روزانہ یہی تعلیم ملتی تھی کہ ظلم نہیں کرنا چاہئے اور یہی وجہ تھی کہ جب انہیں یہ کہا گیا کہ اپنے ظالم بھائی کی مدد کر۔ تو اس تعلیم کو عام تعلیم کے خلاف پا کر وہ گھبرا گئے اور اس کی تشریح طلب کی جو ایسی بے نظیر تھی کہ اس نے اخلاق فاضلہ کے لئے نئے دروازے کھول دیئے۔

عہد کا احترام

اسی مساوات کی مثال کے طور پر آپ کا وہ طریق عمل پیش کیا جا سکتا ہے جو آپ معاہدات کی پابندی میں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ لڑائی کے لئے جا رہے تھے۔ لڑائی کے وقت سب جانتے ہیں کہ ایک ایک آدمی کس قدر قیمتی ہوتا ہے۔ اس وقت رستہ میں دو آدمی آپ کو ملے۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کس طرح آئے ہو۔ انہوں نے کہا اسلام لانے کے لئے آئے ہیں۔ ہم مکہ سے آئے ہیں۔ مگر وہاں کہہ آئے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی مدد کے لئے نہیں جا رہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کہہ کر آئے ہو تو ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہو۔ جب ان سے تم کہہ آئے ہو کہ ہم مسلمانوں کی مدد کو نہیں جا رہے تو اب ہمارے ساتھ ملنے سے وعدہ خلافی ہو جائے گی۔ پس اس سے بچو۔ یہ کیسا اعلیٰ سبق مساوات کا ہے۔

ہر چہ بر خود مپسندی بردیگراں مپسند

ایک خالی مقولہ ہے جس پر لوگ عمل نہیں کرتے ہاں زور بہت دیتے ہیں۔ مگر رسول کریم ﷺ نے اس پر ایسے بے نظیر طور پر عمل کیا ہے کہ اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

ذرا غور کرو ایک ہزار دشمن کے مقابلہ کے لئے آپ جا رہے ہیں اور صرف تین سَو آدمی آپ کے ساتھ ہیں اس وقت آپ کو دو آدمی ملتے ہیں۔ جو تجربہ کار سپاہی ہونے کی وجہ سے آپ کے لئے نہایت کار آمد ہیں مگر آپ انہیں جنگ میں شامل ہونے سے روک دیتے ہیں تا کہ ان کا عہد قائم رہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عہد خواہ اپنے سے ہو یا غیر سے کس طرح آپ اس کی پابندی کراتے تھے۔ حتیٰ کہ جو دشمن جنگ کر رہا ہو۔ اس کے عہد کو بھی پورا کراتے تھے۔

تمدنی اور شرعی مساوات کے علاوہ آپ نے روحانی مساوات بھی قائم کی ہے چنانچہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہر ایک قوم کے لئے روحانی بادشاہت پانے کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب دنیا کے لئے بھیجا ہے کوئی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔ خدا تعالیٰ کے لئے سب برابر ہیں۔ پس وہ اس کے دین میں داخل ہو سکتے ہیں اور اعلیٰ روحانی انعامات پا سکتے ہیں۔

قیامِ امن کے سامان

ساتواں احسان آپ کا یہ ہے کہ آپ نے دنیا میں امن قائم کرنے کے سامان پیدا کئے ہیں جس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل چند امور پیش کئے جاتے ہیں۔

ہر قوم کے بزرگوں کا ادب

(ا) بہت سی لڑائیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے مذہب کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ سوائے ہمارے خدا تعالیٰ کو اور کوئی عزیز نہیں ہوا۔ باقی لوگ ازل سے خدا کے دروازہ سے دھتکارے ہوئے ہیں اب یہ خیال فطرت کے بالکل مخالف ہے خواہ کوئی کسی قوم کا ہو اور کسی ملک کا ہو وہ خدا تعالیٰ پر اپنا ایسا ہی حق سمجھتا ہے جیسا کہ دوسرا۔ پس اس قوم کے خیال سن کر جذبۂ حقارت بھڑک اٹھتا ہے اور جھگڑا اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ نے اس جھگڑے کو یہ اعلان کر کے کہ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ [۲۸] بالکل بند کر دیا۔ یعنی کوئی قوم بھی ایسی نہیں جس میں خدا تعالیٰ کے نبی نہ گذرے ہوں۔ اس اعلان کے ذریعہ سے سب اقوام کے نبیوں کے تقدس کو قبول کر لیا گیا ہے اور وہ منافرت جو دائرہ ہدایت کے محدود کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے اس اعلان کو مد نظر رکھنے والے کے دل سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ سب مذاہب کی اصل سچائی ہے۔ پس باوجود اختلاف کے مجھے ان سے اتحاد ہے سب مذاہب خدا کے قائم کئے ہوئے اور اسی کے جاری کئے ہوئے ہیں۔ پس ان سے بغض اور ان کا قطعی انکار خود خدا کے فضل کا انکار ہے۔

اب غور کرو آپ نے یہ کیسا امن قائم کرنے کا طریق بتایا ہے۔ ایک ہندو جب ہم سے پوچھتا ہے تم رامچندر جی کو کیسا سمجھتے ہو۔ تو ہم کہتے ہیں۔ ہم انہیں خدا تعالیٰ کا بزرگ سمجھتے ہیں۔ یہ بات سن کر ایک ہندو ہم سے کس طرح ناراض ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہم جہاں جائیں ہمیں اس بات کی فکر نہ ہو گی کہ دوسروں کے بزرگوں میں کیڑے نکالیں۔ اگر کوئی بتائے کہ

امریکہ یا افریقہ کے فلاں علاقہ میں خدا کا کوئی برگزیدہ گزرا ہے تو ہم کہیں گے ٹھیک ہے۔ قرآن نے اس کا علم پہلے ہی دے دیا تھا کہ ہر قوم میں ہادی گذرے ہیں۔ پس رسول کریم ﷺ نے اس تعلیم کے ذریعہ سے قیام امن کا ایک دروازہ کھول دیا ہے۔

کسی کی قابلِ عزت چیز کو بُرا نہ کہو

(ب) دوسری وجہ لڑائی جھگڑوں کی یہ ہوتی ہے کہ انسان کسی قوم کے بزرگوں کو تو برا بھلا نہیں کہتا۔ لیکن اس کے اصولوں کو بُرا کہتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فعل سے بھی روکا ہے۔ آپ کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ **لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** [۲۹]

فرمایا وہ چیزیں جنہیں دوسرے مذاہب والے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جیسے بُت وغیرہ۔ ان کو بھی گالیاں مت دو۔ گو تمہارے نزدیک وہ چیزیں درست نہ ہوں۔ مگر پھر بھی تمہارا حق نہیں ہے کہ انہیں سخت الفاظ سے یاد کرو۔ کیونکہ اس طرح ان لوگوں کے دل دُکھیں گے اور پھر لڑائی اور فساد پیدا ہوگا اور وہ بھی بغیر سوچے تمہارے اصول کو بُرا بھلا کہیں گے اور خدا تعالیٰ کو ضِد میں آکر گالیاں دیں گے۔

یہ کتنی اعلیٰ تعلیم ہے جو رسول کریم ﷺ نے دی ہے دوسرے مذاہب کے جو بزرگ سچے تھے۔ ان کے متعلق تو فرمایا کہ انہیں مان لو۔ اور جو چیزیں سچی نہ تھیں' ان کے متعلق کہہ دیا کہ انہیں بُرا بھلا نہ کہو۔

ہر مذہب میں خوبی

(ج) تیسری بات لڑائی فساد پیدا کرنے والی یہ ہوتی ہے کہ ہر مذہب والا دوسرے مذہب کے متعلق کہتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹا ہے۔ اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ رسول کریم ﷺ کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ **وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ۔ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔** [۳۰]

فرمایا کیسا اندھیر مچ رہا ہے۔ یہودی کہتے ہیں عیسائیوں میں کوئی خوبی نہیں اور عیسائی کہتے ہیں یہودیوں میں کوئی خوبی نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں کتاب الٰہی پڑھتے ہیں یعنی جب کتاب الٰہی

پڑھتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے تھا کہ ہر اک چیز میں خواہ وہ کتنی ہی بری کیوں نہ ہو خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور جب کوئی چیز کسی فائدہ کی نہ رہے تو وہ بالکل مٹادی جاتی ہے پس یہ کس طرح کہتے ہیں کہ دوسرے میں کوئی خوبی ہے ہی نہیں۔

وہ مسلمان جو یہ کہتا ہے کہ ہندو مذہب میں عیب ہی عیب ہیں یا ہندو مسلمانوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کے مذہب میں عیب ہی عیب ہیں۔ یا عیسائی ہندوؤں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کے مذہب میں عیب ہی عیب ہیں' کوئی خوبی نہیں ہے۔ انہیں غور کرنا چاہئے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ عیسائیت دنیا میں قائم ہو مگر اس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ یا یہودیت قائم ہو مگر اس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ ہندو دھرم قائم ہو مگر اس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ یا اسلام قائم ہو مگر اس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ کوئی مذہب اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک اس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ مگر یہ تعلیم صرف اسلام نے ہی دی ہے کہ دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرو۔ دراصل یہ بُزدلی ہوتی ہے کہ دوسروں کی خوبی کا اعتراف نہ کیا جائے۔

نیک نیتی سے ماننے والے

رسول کریم ﷺ نے امن کے قیام کا ایک یہ بھی ذریعہ اختیار کیا ہے کہ آپ نے دنیا کے سامنے اس صداقت کو بھی پیش کیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ سب اقوام میں نبی آئے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ہر مذہب میں کچھ خوبیاں ہیں بلکہ یہ امر بھی بالکل حق ہے کہ ہر مذہب کے پیروؤں میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو اس مذہب کو سچا سمجھ کر مان رہے ہوتے ہیں نہ کہ ضد اور شرارت سے۔ پس یہ نیکی کی تڑپ جو ماننے والوں کے دلوں میں پائی جاتی ہے نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ اور گو وہ غلطی پر ہوں مگر پھر بھی ان کی یہ سعی قابل قدر ہے چنانچہ اس کی مثال رسول کریم ﷺ کے ایک عمل سے ملتی ہے سب جانتے ہیں کہ اسلام شرک کا سخت مخالف ہے۔ مگر ایک دفعہ کچھ عیسائی رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور مسجد میں بیٹھ کر بحث کرتے رہے حتیٰ کہ ان کی عبادت کا وقت ہو گیا اور عبادت کے لئے مسجد سے باہر جانے لگے۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں فرمایا یہاں ہی عبادت کر لو۔ چنانچہ انہوں نے بت اپنے سامنے رکھے اور عبادت کر لی۔ اور رسول کریم ﷺ سامنے بیٹھے دیکھتے رہے۔ اب دیکھو کہ انہوں نے تو صلیب یا بزرگوں کے بتوں کی پوجا کی۔ لیکن رسول کریم ﷺ نے انہیں مسجد میں ایسا کرنے کی اجازت دی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ لوگ سچے دل سے خدا تعالیٰ کے قرب کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ پس ان کی اس تڑپ

کی آپ نے قدر کی۔ اور ان کی نیت کا لحاظ رکھتے ہوئے مسجد میں جو ذکر الٰہی کے لئے ہوتی ہے اپنی عبادت بجالانے کی اجازت دی۔

جنگ کے حدود دنیا میں ایک باعث فساد کا یہ بھی ہوتا ہے کہ جب کسی نہ کسی وجہ سے فساد پیدا ہو جائے تو لوگ اسے قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس وجہ فساد کو بھی دور فرمایا اور جنگ میں بھی حدود قائم کر دی ہیں۔

چنانچہ خدا تعالیٰ سے حکم پاکر آپ نے فرمایا ہے کہ **فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ**[۳۱] کہ جب لڑائی ہو رہی ہو اور لڑنے والا دشمن لڑائی چھوڑ دے۔ تو پھر اس سے لڑنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک قسم کی ندامت ہے اور اللہ تعالیٰ نادم کی ندامت کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ بخشش سے کام لیتا ہے اور رحم کرتا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ **فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ**[۳۲] سزا انہی کو دی جاتی ہے جو ظلم کر رہے ہوں جو اپنی شرارت سے باز آجائیں انہیں پچھلے قصوروں کی وجہ سے برباد نہیں کرتے جانا چاہیئے۔

حُرّیّتِ ضمیر آٹھواں احسان رسول کریم ﷺ کا یہ ہے کہ آپ نے حُرّیّتِ ضمیر کے اصل کو قائم کیا ہے۔ علمی ترقی کی جڑ حریت ضمیر ہے۔ شک پیدا ہو اور اس شک کے مطابق تحقیق کی جائے اور جو صحیح نتیجہ نکلے اس کے مطابق اپنے خیال اور اپنے اعمال کو بدلا جائے یہی سب ترقیات کی کنجی ہے۔ جب رسول کریم ﷺ پیدا ہوئے ہیں اس وقت عرب خصوصاً اور دوسرے ممالک کے لوگ عموماً حریت ضمیر کی قدر نہ جانتے تھے۔ اس وقت قرآن کریم نے اعلان کیا کہ **لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ**[۳۳] دین کے بارہ میں کچھ جبر نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ہدایت اور گمراہی میں خدا تعالیٰ نے نمایاں فرق کر کے دکھا دیا ہے پس جو سمجھنا چاہے وہ دلیل سے سمجھ سکتا ہے اس پر جبر نہیں ہونا چاہیئے۔

ایک دفعہ عربوں نے خواہش کی کہ آپ سے سمجھوتہ کرلیں اور وہ اس طرح کہ ہم اللہ کی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں اور تم بتوں کی پرستش شروع کردو۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق فرمایا کہ **لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ**[۳۴] جب میں بتوں کو جھوٹا سمجھتا ہوں تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں اپنے ضمیر کو قربان کر کے ان کی پرستش کروں اور تم واحد خدا کو نہیں مانتے تو تم اس کی پرستش کس طرح کر سکتے ہو۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور ہمارے لئے ہمارا۔

عورتوں کے حقوق

نواں احسان آپ کا وہ ہے جو صنفِ نازک سے تعلق رکھتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے عورتوں کے کوئی حقوق تسلیم ہی نہیں کئے جاتے تھے۔ اور عرب لوگ تو انہیں ورثہ میں بانٹ لیتے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت عورتوں کے حقوق کو قائم کیا اور اعلان فرمایا کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ [۳۵] عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے۔ پھر آپ نے اعلان فرمایا جس طرح مردوں کے لئے مرنے کے بعد انعام ہیں۔ اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہیں۔ پھر عورتوں کے لئے جائیداد میں حصے مقرر کئے۔ اس کی اپنی جائیداد مقرر کی۔ انگلستان میں بھی آج سے ۲۰ سال قبل عورت کی کوئی جائیداد نہ سمجھی جاتی تھی۔ جو کچھ اسے باپ سے ملتا' وہ بھی اس کا نہ ہوتا۔ مگر رسول کریم ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال قبل یہ حکم دیا کہ عورت اپنے مال کی آپ مالک ہے۔ خاوند بھی اس کی مرضی کے خلاف اس سے مال نہیں لے سکتا۔ بچوں کی تربیت' نکاح میں رضامندی اور اس قسم کے بہت سے حقوق آپ نے عورت کو عطا کئے۔

توہّم کا انسداد

دسواں احسان رسول کریم ﷺ کا یہ ہے کہ دنیا میں جو توہّم پائے جاتے تھے۔ آپ نے ان کا انسداد کیا۔ آپ کی آمد سے پہلے جادو اور ٹونے کا بہت رواج تھا۔ اور جانوروں سے اور ان کی بولیوں سے لوگ تفاؤل لیتے تھے اور قسم قسم کے وہموں میں مبتلا تھے۔ مگر جب کہ تعلیم یافتہ ملکوں کے لوگ وہم میں مبتلا تھے۔ آپ نے ایک جاہل ملک میں پیدا ہو کر سب وہموں کو دور کر دیا اور اعلان کر دیا کہ یہ سب امور فضول اور لغو ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہر اک امر کے لئے علم پیدا کیا ہے۔ اس علم سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس کے ذریعہ سے بیماریاں بھی دور ہونگی اور ترقیات حاصل ہونگی۔ لوگ کہتے ستاروں کی وجہ سے بارشیں ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک ان کا بھی اثر ہوتا ہے۔ مگر یہ ستارے اپنی ذات میں کوئی مستقل حیثیت رکھتے ہوں یہ درست نہیں ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہیں۔ ان کی گردشوں پر اپنے کام کو منحصر رکھنا فضول اور لغو بات ہے۔

اسی طرح بلّی' کوّا اور اُلّو وغیرہ جانوروں سے شگون لینے کو آپ نے ناپسند فرمایا۔ اسی طرح قانون قدرت کی صحت کو تسلیم کر کے فرمایا لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا [۳۶] ایک قانون خدا تعالیٰ نے جاری کیا ہے اس کے ماتحت چل کر ترقی کر لو۔ اس کے خلاف کرو گے تو

ترقی نہ ہوگی ایک دفعہ آپ کہیں جا رہے تھے کہ لوگ کھجور کے پیوند لگا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کیا کر رہے ہو' اس کی کیا ضرورت ہے؟ پیوند لگانے والوں نے سمجھا آپ نے منع فرمایا ہے اور انہوں نے پیوند لگانے چھوڑ دیئے۔ اس سال کھجوروں کو پھل نہ لگے۔ انہوں نے آکر رسول کریم ﷺ سے کہا۔ آپ نے پیوند لگانے سے منع کیا تھا مگر پھل نہیں لگے۔ آپ نے فرمایا میں نے تو پوچھا تھا' نہ یہ کہ منع کیا تھا۔ تم نے کیوں پیوند لگانے چھوڑ دیئے تم لوگ ان امور کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اسی طرح آپ کے بیٹے ابراہیم کی موت پر گرہن لگا۔ تو لوگوں نے کہا کہ ابراہیم کی موت پر گرہن لگا ہے۔ تو آپ نے اس سے لوگوں کو منع کیا اور فرمایا کہ گرہن خدا تعالیٰ کے ایک قانون سے تعلق رکھتا ہے اسے کسی کی موت اور حیات سے کیا تعلق ہے۔

سرمایہ اور مزدوری میں اتحاد

گیارھواں احسان آپ کا دنیا پر یہ ہے کہ آپ نے سرمایہ دار اور مزدور کے تعلقات کو ایسے اصول پر قائم کیا کہ دنیا کی ترقی کے لئے رستہ کھل جاتا ہے اور سرمایہ دار اور مزدور کے جھگڑے بالکل دور ہو جاتے ہیں۔ آپ نے جو تعلیم اللہ تعالیٰ کے حکم سے دی ہے اس میں فیصلہ فرمایا ہے کہ ہر مالدار غریب کے ذریعہ کماتا ہے اس لئے اسے اپنے مال کا ۱/۴۰ حصہ غریبوں کے لئے الگ کر دینا چاہئے۔ جو ان پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اس کے خرچ کا اختیار گورنمنٹ کو ہوگا۔ نہ کہ اس شخص کو یا اس کے ہاں کام کرنے والے مزدوروں کو۔ اس لئے درحقیقت سرمایہ دار صرف اپنے ہی مزدوروں کے ذریعہ نہیں کماتا بلکہ اس کی کمائی پر تمام ملک کے مزدورں کی محنت کا اثر پڑتا ہے۔ پس چالیسواں حصہ کل سرمایہ کا سرمایہ دار سے وصول کر کے گورنمنٹ غرباء پر اس طرح خرچ کرے کہ کچھ تو اپاہجوں پر کرے اور کچھ ان پر جو اپنی آمد میں گذارہ نہیں کر سکتے اور کچھ غرباء میں سے جو ترقی کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں انہیں مدد دے کر۔ تاکہ وہ اپنی حالت کو بدل سکیں۔ اس طرح رسول کریم ﷺ نے غرباء کی ترقی کے لئے راستہ کھول دیا ہے۔ اور امراء کو ہمیشہ کے لئے امیر بنے رہنے سے روک دیا ہے۔

شراب کی ممانعت

بارھواں احسان رسول کریم ﷺ نے دنیا پر یہ کیا ہے کہ آپ نے شراب کو بالکل روک دیا ہے۔ شراب کی برائیوں کے متعلق مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اب سب دنیا اس کے نقائص کو تسلیم کر رہی ہے اور مختلف ملکوں

میں اس کے کم کرنے یا بند کرنے کا انتظام ہو رہا ہے۔ چنانچہ امریکہ والوں نے قانوناً اسے منع کر دیا ہے۔ ہمارے ملک کے لوگ بھی اس کی ممانعت پر زور دے رہے ہیں اور گو گورنمنٹ نے ابھی تک انکی اس بات کو تسلیم نہیں کیا لیکن امید ہے کہ مسلمانوں' ہندوؤں اور مسیحیوں کی کوشش جاری رہی تو گورنمنٹ بھی تسلیم کرلے گی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانیاں

اب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض قربانیوں کا ذکر کرتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے میں قربانی کی حقیقت کے متعلق کچھ تشریح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ آپ لوگ سمجھ سکیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانیاں کس شان کی تھیں۔

قربانی کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اصل قربانی یہ نہیں ہے کہ انسان سے کوئی چیز زبردستی چھین لی جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ لوگوں کے نفع کے لئے ایسے حالات میں قربانی دی جاوے کہ اس سے بچنا انسان کے اختیار میں ہو دنیا میں ہزاروں لوگ ہر روز مرتے ہیں۔ مگر کوئی نہیں کہتا کہ وہ قربانی کرتے ہیں۔ ہزاروں لوگ ملک چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ مگر کوئی نہیں کہتا کہ وہ قربانی کرتے ہیں۔ اور اس کی یہی وجہ ہے کہ موت انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور ملک چھوڑنے والے' لوگوں کے لئے نہیں بلکہ اپنے فائدہ کے لئے ملک چھوڑتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانیوں کو آپ لوگ دیکھیں گے کہ وہ ایسی ہی ہیں کہ جن کو آپ نے اپنی مرضی سے پیش کیا اور لوگوں کے نفع کے لئے پیش کیا نہ کہ اپنے کسی فائدہ کے لئے۔

دائمی عمل

پھر سچی قربانیوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک وہ قربانی ہے جو وقتی ہوتی ہے اور دوسری وہ جو دائمی ہوتی ہے دائمی قربانی اعلیٰ ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانیوں میں یہی رنگ پایا جاتا ہے بلکہ آپ کی نسبت روایت ہے کہ آپ ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ وہی نیک کام اچھے ہوتے ہیں جو دائمی ہوں۔ پس ہمیشہ جب نیکی شروع کرو تو اسے ہمیشہ قائم رکھنے کی کوشش کرو۔

قربانیوں کی مزید اقسام

قربانی کی ان دونوں قسموں کی آگے پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک قربانی جسے دوسرے وصول کرتے ہیں۔ (۲) وہ قربانی جسے انسان خود پیش کرتا ہے۔ پہلی قسم کی قربانی یہ ہے کہ مثلاً لوگ اسے اس لئے ماریں کہ وہ صداقت کو چھوڑ

دے' مگر انسان نہ چھوڑے۔ اس کا نام ہم جبری قربانی رکھ لیتے ہیں۔ اور دوسری قربانی یہ ہے کہ انسان کے پاس مال ہو اور وہ دوسروں کے فائدہ کے لئے اپنی مرضی سے اسے خرچ کرے۔ اس کا نام ہم طوعی قربانی رکھ لیتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے ابتلا دونوں ہی قسم کے تھے۔ آپ پر لوگوں نے جبر کیا۔ اس لئے کہ آپ صداقت کو چھوڑ دیں۔ مگر آپ نے اسے نہ چھوڑا اسی طرح آپ نے بہت سی قربانیاں ایسی کیں کہ جن کے لئے واقعات نے آپ کو مجبور نہیں کیا تھا۔

پھر ان دونوں قسموں کی بھی آگے دو قسمیں ہیں:۔

(۱) اِستکرَاہی یعنی ایسی قربانی جو انسان واقعات سے مجبور ہو کر پیش کرتا ہے۔ مگر اس کا دل اسے ناپسند کرتا ہے۔ اور (۲) رضائی۔ یعنی ایسی قربانی کہ انسان واقعات سے مجبور ہو کر اسے پیش کرتا ہے۔ مگر پھر بھی اس کا دل اسے پسند کرتا ہے۔ امر اول کی مثال جنگ ہے کہ نیک لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دنیا کے نفع کے لئے اسی ناپسندیدہ شے کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور دوسری مثال لوگوں کی تعلیم کے لئے مال اور وقت خرچ کرنا ہے کہ اس قربانی کو وہ خوشی سے اور رغبت قلبی سے دینا پسند کرتے ہیں یا قوم کی راہ میں موت ہے کہ اپنے آپ کو خود تو ہلاک نہیں کرتے۔ جب جان دیتے ہیں تو لوگوں کے فعل کے نتیجہ میں دیتے ہیں مگر خواہش رکھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں موت آئے۔ پس یہ قربانی گو جبری ہے مگر ہے رضائی' یعنی دل اسے پسند کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی قربانیاں دونوں ہی قسم کی تھیں۔ آپ نے وہ قربانیاں بھی کیں جو استکراہی تھیں۔ یعنی لوگوں کے نفع کے لئے آپ نے ایسے کام کئے کہ جو آپ کو ذاتی طور پر ناپسند تھے۔ مگر دنیا کے نفع کے لئے آپ نے اپنے میلان کو قربان کر دیا جیسے آپ کی جنگوں میں شرکت اور ایسی قربانیاں بھی کیں کہ جنہیں آپ طبعاً پسند فرماتے تھے۔ جیسے مال اور آرام کی قربانیاں۔

پھر قربانیوں کی یہ قسمیں بھی ہیں۔ ایک وہ قربانیاں جو کسی عارضی مقصد کے لئے ہوں۔ دوسری وہ قربانیاں جو کسی دائمی صداقت کے لئے ہوں۔ دوسری قسم کی قربانیاں اعلیٰ ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ تمام ذاتی نفعوں کے خیال سے بالا ہوتی ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی قربانیاں جیسا کہ آپ لوگ دیکھیں گے اسی قسم کی تھیں۔ آپ نے کسی عارضی مقصد کے لئے قربانیاں نہیں کیں۔ بلکہ دائمی صداقتوں اور بنی نوع انسان کی ابدی ترقی کے لئے قربانیاں کی ہیں۔ پس

آپ کی قربانیاں کیا بلحاظ نیت کے اور کیا بلحاظ مقصد کے اور کیا بلحاظ قربانی کی کمیت اور کیفیت کے نہایت عظیم الشان ہیں۔ بلکہ حیرت انگیز ہیں اور اگلوں اور پچھلوں کے لئے نمونہ۔ آپ نے خود ہی دنیا کے دائمی نفع کیلئے اور دائمی صداقتوں کے قیام کے لئے خوشی سے قربانیاں نہیں کیں۔ بلکہ آپ نے اپنے اَتباع کو بھی یہی تعلیم دی کہ وہ بھی خوشی سے قربانیاں کریں تا کہ دنیا ترقی کرے۔ چنانچہ آپ خدا تعالیٰ سے حکم پاکر فرماتے ہیں۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ [۳۷]

ہم ضرور تمہارے ایمان کے کمال کو ظاہر کریں گے۔ اس طرح سے کہ تمہیں ایسے مواقع میں سے گذرنا پڑے گا کہ تمہیں صداقتوں کے لئے خوف اور بھوک کا سامنا ہوگا اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ پس جو لوگ ان مشکلات کو خوشی سے برداشت کریں گے اور کہیں گے کہ خدا کی چیز خدا کی راہ میں قربان ہو گئی' انہیں خوشخبری دے کہ ان کی یہ قربانیاں ضائع نہ ہونگی۔

قربانیوں کی شِقّیں

جس طرح قربانیاں کئی اقسام کی ہوتی ہیں اسی طرح وہ کئی شِقّوں کی بھی ہوتی ہیں مثلاً (۱) شہوات کی قربانی۔ یعنی شہوات کو مٹا دینا (۲) جذبات کی قربانی۔ یعنی جذبات کو مٹا دینا۔ (۳) مال کی قربانی۔ (۴) وطن کی قربانی یعنی وطن چھوڑ دینا (۵) دوستوں کی قربانی۔ (۶) رشتہ داروں کی قربانی۔ یعنی خدا کے لئے ان کو چھوڑ دینا۔ (۷) عزت کی قربانی۔ یعنی خدا تعالیٰ اور دائمی صداقتوں کے لئے ذلت کو برداشت کرنا یا عزت حاصل کرنے کے مواقع کو چھوڑ دینا۔ (۸) آرام کی قربانی (۹) آسائش کی قربانی۔ (۱۰) آئندہ نسل کی قربانی۔ (۱۱) رشتہ داروں کے احساسات کی قربانی (۱۲) اپنی جان کی قربانی۔ (۱۳) دوستوں کے احساسات کی قربانی۔

اب میں یہ بتلاتا ہوں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ سب قسم کی قربانیاں کی ہیں۔

شہوات کی قربانی

(۱) شہوات کی قربانی اس سے ثابت ہے کہ آپ نے جوانی کی عمر میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت سے شادی کی۔ اور آپ کی زندگی بتاتی ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی بیوی آپ کو اپنی طرف مائل نہ رکھے بلکہ آپ دنیا کی ترقی کے متعلق کوششوں میں مشغول رہ سکیں۔ جس وقت آپ نے یہ شادی کی ہے' اس وقت

آپ نے ابھی نبوت کا دعویٰ نہ کیا تھا۔ اور مذہبی وجہ سے آپ سے اخلاص کی صورت پیدا نہ تھی۔ پس آپ سمجھتے تھے کہ جوان عورت کی خواہشات چاہیں گی کہ اس کی طرف توجہ کی جاوے۔ اس لئے آپ نے ادھیڑ عمر کی عورت سے شادی کی اور یہ آپ کی بہت بڑی قربانی تھی۔ آپ اس وقت ۲۵ سال کے جوان تھے اور آپ کی جسمانی حالت ایسی تھی کہ ۶۳ سال کی عمر میں بھی صرف چند بال سفید آئے تھے اور آپ ایسے مضبوط تھے کہ آپ ہی نمازیں پڑھاتے تھے اور آپ ہی لشکروں کی کمان کرتے تھے۔ پس وہ شخص جو بڑھاپے میں بھی نہایت قوی تھا وہ بھرپور جوانی کے وقت نوجوان عورتوں کو چھوڑ کر ایک ادھیڑ عمر کی عورت سے اس لئے شادی کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت خدمت مخلوق میں لگا سکے۔ اس سے بڑھ کر شہوات کی قربانی اور کیا ہو سکتی ہے۔

پھر جوانی کی عمر میں تو آپ نے ادھیڑ عمر کی عورت سے اس لئے شادی کی کہ وہ آپ کے سارے وقت پر قابو نہ پالے اور جب آپ ادھیڑ عمر کو پہنچے اور آپ نے دیکھا کہ اب عورتوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو آپ سے مذہبی طور پر اخلاص رکھتی ہے اور آپ کے ساتھ مل کر ہر قسم کی مذہبی قربانی کے لئے تیار رہے گی۔ تو اس وقت اس نیت سے کہ شریعت کے مختلف مسائل کو قوم میں رائج کر سکیں آپ نے کئی جوان عورتوں سے شادی کی اور اس بوجھ کو اٹھایا جو نوجوانوں کی بھی کمر توڑ دیتا ہے۔ گویا دونوں زمانوں میں جوانی میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی آپ نے شہوات کی قربانی کی۔ کیونکہ عائشہؓ کی شادی کے بعد دوسری عورتوں سے شادی ایک زبردست قربانی تھی۔

(۲) جذبات کی قربانی آپ نے مختلف اوقات میں اپنے جذبات کی بھی قربانی کی ہے۔ چنانچہ اس کی ایک مثال وہ قربانی ہے جسے آپ نے عدل و انصاف کے قیام کے لئے پیش کیا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ جنگ بدر میں آپ کے چچا عباس قید ہو گئے۔ حضرت عباس دل سے مسلمان تھے۔ اور ہمیشہ حضرت کی مدد کیا کرتے تھے۔ اور مکہ سے دشمنوں کی خبریں بھی بھیجا کرتے تھے۔ مگر کفار کے زور دینے پر ان کے ساتھ مل کر بدر کی جنگ میں شریک ہوئے۔ قید ہونے پر اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ ہی انہیں بھی رسیوں سے باندھ کر رکھا گیا۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور اس زمانہ کے لحاظ سے ایسے سامان نہیں تھے کہ قیدیوں کے بھاگنے کی روک کی جا سکے۔ اس لئے رسیاں خوب مضبوطی سے باندھی گئیں۔ اس

کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباس جو نہایت ناز و نعم میں پلے ہوئے تھے اور امیر آدمی تھے۔ اس تکلیف کی تاب نہ لا سکے اور کراہنے لگے۔ ان کی آواز سن کر رسول کریم ﷺ کو سخت تکلیف ہوئی اور صحابہ نے دیکھا کہ آپ کبھی ایک کروٹ بدلتے ہیں کبھی دوسری اور انہوں نے سمجھ لیا کہ آپ کی اس بے چینی کا باعث حضرت عباس کا کراہنا ہے اور انہوں نے چپکے سے حضرت عباس کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کو ان کے کراہنے کی آواز نہ آئی تو آپ نے پوچھا کہ عباس کو کیا ہوا ہے کہ ان کے کراہنے کی آواز نہیں آتی۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ کی تکلیف کو دیکھ کر ہم نے ان کی رسیاں ڈھیلی کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یا تو سب قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی کر دو یا ان کی بھی سخت کر دو۔ یہ قربانی کیسی شاندار ہے۔

حضرت عباس آپ کے چچا تھے اور محبت کرنے والے چچا۔ لیکن آپ نے پسند نہ فرمایا کہ ان کی رسیاں ڈھیلی کر دی جائیں اور دوسرے قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی نہ کی جائیں کیونکہ آپ جانتے تھے کہ جس طرح وہ میرے رشتہ دار ہیں۔ اسی طرح دوسرے قیدی دوسرے صحابہ کے رشتہ دار ہیں اور ان کے دلوں کو بھی وہی تکلیف ہے جو میرے دل کو۔ پس آپ نے اپنے لئے تکلیف کو برداشت کیا تاکہ انصاف اور عدل کا قانون نہ ٹوٹے۔ اور اس وقت تک حضرت عباس کو آرام پہنچانے کی اجازت نہ دی جب تک دوسرے قیدیوں کے آرام کی بھی ضرورت نہ پیدا ہو جائے۔

آپ کی جذبات کی قربانیوں کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ مخالفین آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور آکر کہا کہ اب بات برداشت سے بڑھ گئی ہے تم اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ کہ وہ بیشک کہا کرے کہ ایک خدا کو پوجو۔ مگر یہ نہ کہا کرے کہ ہمارے بتوں میں کوئی طاقت بھی نہیں ہے۔ اگر تم اسے نہ روکو گے تو ہم پھر تم سے بھی مقابلہ کرنے کو تیار ہونگے اور ہر طرح کا نقصان پہنچائیں گے۔ یہ وقت ان کے لئے بڑی مصیبت کا وقت تھا۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو بلایا اور خیال کیا کہ میرے ان پر بڑے احسان ہیں۔ یہ میری بات ضرور مان جائیں گے جب آپ آئے تو انہوں نے کہا۔ اب تو لوگ بہت جوش میں آگئے ہیں اور وہ دھمکی دے رہے ہیں کہ تمہاری وجہ سے مجھے اور میرے سب رشتہ داروں کو تکلیف پہنچائیں گے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم بتوں کے خلاف وعظ کرنے سے رک جاؤ' تاکہ ہم لوگ ان کی مخالفت سے محفوظ رہیں۔ اب غور کرو کہ ایک ایسا شخص جس نے بچپن سے پالا

ہو۔ پھر چچا ہو اور محسن چچا ہو' اس کی بات کو جو اس نے سخت تکلیف کی حالت میں کہی ہو ردّ کرنے سے احساسات کو کس قدر ٹھیس اور صدمہ پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ قدرتاً رسول کریم ﷺ کو بھی اس مصیبت سے صدمہ پہنچا۔ ایک طرف ایک زبردست صداقت کی حمایت۔ دوسری طرف اپنے محسنوں کی جان کی قربانی۔ ان متضاد تقاضوں کو دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ اے چچا۔ میں آپ کے لئے ہر ایک تکلیف اٹھا سکتا ہوں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ میں خدا تعالیٰ کی توحید کا وعظ اور شرک کی مذمّتوں کا وعظ چھوڑ دوں۔ پس آپ بے شک مجھ سے علیحدہ ہو جائیں اور مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ کوئی اور ہوتا تو یہ سمجھتا کہ دیکھو میں نے اس پر اس قدر احسان کئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے یہ میری بات نہیں مانتا۔ مگر ابو طالب رسول کریم ﷺ کے دل کو جانتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ آپ اس قدر احسان کی قدر کرنے والے ہیں کہ اس وقت میری بات کو رد کرنا ان کے اخلاق کے لحاظ ایک بہت بڑی قربانی ہے اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں وہ اپنے نفس کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ صرف اپنی قوم کی بہتری اور اسے گمراہی سے نکالنے کے لئے ہے۔ پس وہ بھی آپ کی اس قربانی سے متأثر ہوئے اور بے اختیار ہو کر کہا کہ میرے بھتیجے تُو جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے جا اور اپنا کام کر۔ میں اور میرے دوسرے رشتہ دار تیرے ساتھ ہیں اور تیرے ساتھ مل کر ہر ایک تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

رشتہ داروں کے جذبات کی قربانی

یہ قربانی اپنے جذبات کی قربانی سے بھی مشکل ہوتی ہے۔ لوگ اپنے جذبات تو مار سکتے ہیں۔ لیکن اپنے عزیزوں کے جذبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی ماں باپ خود معمولی کپڑے پہنتے ہیں۔ لیکن بچوں کو اعلیٰ کپڑے پہناتے ہیں۔ خود معمولی کھانا کھاتے ہیں مگر اپنے بچوں کو اعلیٰ کھانے کھلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی قربانیوں پر نظر مارنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے جذبات ہی کو دائمی صداقتوں کے قیام اور بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے قربان نہیں کیا۔ بلکہ اپنے رشتہ داروں کے جذبات کو بھی قربان کر دیا ہے۔ اس کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ مسلمانوں کو بہت بڑی فتح ہوئی اور مسلمانوں کی آسودگی کے سامان پیدا ہو گئے۔ تو آپ کی پیاری بیٹی فاطمہؓ نے آپ سے کہا کہ کام کرتے کرتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں لوگوں کو اتنے اموال اور نوکر

ملتے ہیں۔ ایک لونڈی مجھے بھی دے دی جائے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ یہ چھالے اس سے اچھے ہیں کہ اس مال سے تمہیں کچھ دوں۔ تم اس حالت میں خوش رہو کہ یہی خدا تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔

رسول کریم ﷺ کا بھی اس مال میں حق تھا اور آپ جائز طور پر اس سے لے سکتے تھے۔ مگر آپ نے یہ دیکھ کر کہ ابھی مسلمانوں کی ضرورت بہت بڑھی ہوئی ہے' اس مال میں سے کچھ نہ لیا اور اپنی نہایت ہی پیاری بیٹی کی تکلیف کو برداشت کیا۔ آپ کا اپنی بیویوں کے جذبات کی قربانی کرنے کا ذکر میں پہلے کر آیا ہوں۔

دوستوں کے جذبات کی قربانی

اس کے متعلق میں حضرت ابوبکرؓ کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں ان کی کسی یہودی سے گفتگو ہوئی۔ یہودی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول کریم ﷺ پر فضیلت دی۔ اس پر حضرت ابوبکر کو غصہ آ گیا۔ اور آپ نے اس سے سختی کی مگر جب یہ بات رسول کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہوئے اور فرمایا۔ آپ کا حق نہ تھا کہ اس طرح اس شخص سے جھگڑتے۔

بظاہر یہ قربانی معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر عقلمند جانتے ہیں کہ ایک بادشاہ کے لئے جو ہر وقت دشمنوں سے گھرا ہوا ہو۔ دوستوں کے جذبات کا احترام کیسا ضروری ہوتا ہے۔ مگر آپ نے دوسرے لوگوں کو تکلیف سے بچانے کے لئے کبھی اپنے دوستوں کے جذبات کی پرواہ نہیں کی۔ اس قسم کی قربانی کی دوسری مثال کے طور پر میں صلح حدیبیہ کا ایک مشہور واقعہ پیش کرتا ہوں۔ اس صلح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی شخص مکہ سے بھاگ کر اور مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آئے گا' تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ والوں کے پاس جائے گا' تو اسے واپس نہیں کیا جاوے گا ابھی یہ معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ ایک شخص ابو بصیر نامی مکہ سے بھاگ کر آپ کے پاس آیا۔ اس کا جسم زخموں سے چُور تھا۔ بوجہ ان مظالم کے جو اس کے رشتہ دار اسلام لانے کی وجہ سے اس پر کرتے تھے۔ اس شخص کے پہنچنے پر اور اس کی نازک حالت کو دیکھ کر اسلامی لشکر میں ہمدردی کا ایک زبردست جذبہ پیدا ہو گیا۔ لیکن دوسری طرف کفار نے بھی اُس کے اِس طرح آنے میں اپنی شکست محسوس کی اور مطالبہ کیا کہ بموجب معاہدہ اسے واپس کر دیا جائے۔ مسلمان اس بات کے لئے

کھڑے ہو گئے کہ خواہ کچھ ہو جائے۔ مگر ہم اسے جانے نہ دیں گے۔ انہوں نے کہا ابھی معاہدہ نہیں ہوا۔ اس لئے مکہ والوں کا کوئی حق نہیں کہ اس کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ مگر چونکہ رسول کریم ﷺ فیصلہ فرما چکے تھے کہ ہر مرد جو مکہ سے آئے گا' اسے واپس کیا جائے گا۔ آپ نے اسے واپس کئے جانے کا حکم دے دیا اور مسلمانوں کے جذبات کو وفائے عہد پر قربان کر دیا۔

مال کی قربانی

آپ کی مالی قربانی کے لئے کسی خاص واقعہ کی مثال دینے کی ضرورت نہیں۔ ہر اک شخص جانتا ہے کہ جب سے آپ کے پاس مال آنا شروع ہوا' آپ نے اسے قربان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ سب سے پہلا مال آپ کو حضرت خدیجہؓ سے ملا اور آپ نے اسے فوراً غرباء کی امداد کے لئے تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد مدینہ میں آپ بادشاہ ہوئے تھے تو باوجود بادشاہ ہونے کے آپ نے حقوق نہ لئے اور سادہ زندگی میں عمر بسر کی۔ اور جس قدر ممکن ہو سکا غرباء کی خبر گیری کی۔ حتیٰ کہ آپ نے کھانا تک پیٹ بھر کر نہ کھایا۔ صحابہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ عام طور پر اپنے مال خدا تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیتے ہیں تو انصار نے جو اپنے آپ کو اہل وطن ہونے کی وجہ سے صاحب خانہ خیال کرتے تھے' یہ انتظام کیا کہ کھانا آپ کے گھر میں بطور ہدیہ بھجوا دیا کرتے۔ لیکن آپ اسے بھی اکثر مہمانوں میں تقسیم کر دیتے یا ان غرباء میں جو دین کی تعلیم کے لئے مسجد میں بیٹھے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ فوت ہوئے تو اس دن بھی آپ کے گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا اور یہ جو حدیثوں میں آتا ہے کہ **مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ**[۳۸] اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ نے کوئی مال چھوڑا تھا اور اسے آپ نے صدقہ قرار دیا تھا' بلکہ اس کا یہ مطلب تھا کہ ہمارے گھر میں اپنا مال کوئی نہیں ہے جو کچھ ہے وہ صدقہ کا مال ہے۔ پس اس کا مالک بیت المال ہے نہ کہ ہمارے گھر کے لوگ۔ دوسرے معنی اسلام کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اپنے سارے مال کی وصیت قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ پس اس حدیث کے یہ معنی کرنے کہ آپ نے اپنا ذاتی مال کوئی چھوڑا تھا اور اسے سب کا سب صدقہ قرار دیا تھا درست نہیں۔

غرض رسول کریم ﷺ کی ساری زندگی مالی قربانی کا ایک بے نظیر نمونہ تھی۔

عزت کی قربانی

عزت کی قربانی بہت بڑی قربانی ہے اور بہت کم لوگ اس کی جرأت رکھتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کی زندگی میں اس کی بہت سی مثالیں پائی جاتی

ہیں۔ مثلاً صلح حدیبیہ ہی کا واقعہ ہے کہ جب معاہدہ لکھا جانے لگا تو آپ نے لکھایا کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور مکہ والوں کے درمیان ہے۔ حضرت علیؓ یہ معاہدہ لکھ رہے تھے۔ کفار نے کہا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو۔ کیونکہ ہم آپ کو رسول نہیں مانتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اچھا اسے مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے جو محبت رسول کے متوالے تھے کہا' مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ کا لفظ لکھ کر کاٹ دوں۔ آپ نے فرمایا۔ کاغذ میری طرف کرو اور رسول اللہ کا لفظ اپنے ہاتھ سے آپ نے مٹا دیا۔ ۳۹؎ صلح اور امن کی خاطر اس قسم کی قربانی بہت کم لوگ کر سکتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ اس وقت فاتح کی حیثیت میں تھے۔ آپ کا لشکر جنگ کے لئے بے تاب ہو رہا تھا کیونکہ وہ مکہ والوں کے بے جا مظالم کو دیکھ دیکھ کر جوش سے اُبل رہا تھا۔ اہل مکہ اس وقت بالکل بے بس تھے۔ ان کا لشکر تھوڑا اور ان کے مددگار دور تھے۔ پس ان کی ان ہتک آمیز باتوں کا علاج آپ فوراً کر سکتے تھے۔ مگر آپ کے سامنے یہ بات تھی کہ وہ مقام کہ جسے خدا تعالیٰ نے اس لئے مقرر کیا ہے کہ وہاں لوگ امن سے اکٹھے ہو کر اصلاح نفس اور اصلاحِ عالَم کی طرف توجہ کر سکیں' اس جگہ جنگ نہ ہو اور اس کی دیرینہ عزت کو صدمہ نہ پہنچے۔ پس اس کی خاطر ہر ایک ہتک کا کلمہ سنتے تھے اور خاموش ہو جاتے تھے۔

دوسری مثال اس قسم کی قربانی کی یہ ہے کہ اس زمانہ میں مکہ میں غلاموں کو بہت ذلیل سمجھا جاتا تھا اور رسول کریم ﷺ کا قبیلہ بہت معزّز تھا۔ بڑے بڑے قبیلوں والے اس قبیلہ کو لڑکیاں دینا فخر سمجھتے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن کی شادی ایک آزاد شُدہ غلام سے کر دی۔ یہ عزت کی کتنی بڑی قربانی تھی۔ آپ نے اس طرح عملی قربانی سے لوگوں کو سبق دیا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں۔ فرق صرف نیکی' تقویٰ' اخلاص اور اخلاق سے پیدا ہوتا ہے۔

تیسری مثال اس قسم کی قربانی کی یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی آیا جس کا آپ نے قرضہ دینا تھا۔ اس نے آکر سخت کلامی شروع کی اور گو ادائیگی قرض کی معیاد ابھی پوری نہ ہوئی تھی۔ مگر آپ نے اس سے معذرت کی اور ایک صحابی کو بھیجا کہ فلاں شخص سے جا کر کچھ قرض لے آؤ اور اس یہودی کا قرض ادا کر دیا۔ جب وہ یہودی سخت کلامی کر رہا تھا تو صحابہ کو اس یہودی پر سخت غصہ آیا اور ان میں سے بعض اسے سزا دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر آپ نے فرمایا اسے کچھ مت کہو' کیونکہ میں نے اس کا قرض دینا تھا اور اس کا حق تھا کہ مجھ سے مطالبہ

کرتا۔ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس وقت آپ مدینہ اور اس کے گرد کے بہت سے علاقہ کے بادشاہ ہو چکے تھے اور ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت میں آپ کا اس یہودی کی سختی برداشت کرنا عزت کی کس قدر عظیم الشان قربانی تھا۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔

چوتھی مثال اس قسم کی قربانی کی یہ ہے کہ آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو کئی دفعہ ایسے آدمیوں کے ماتحت کیا جو خاندانی لحاظ سے ادنیٰ تھے۔ چنانچہ زید بن حارثہ جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کے ماتحت آپ نے حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیّار کو ایک فوج میں بھیجا۔

اسی طرح ابو لہب کے دو بیٹوں سے آپ کی دو بیٹیاں بیاہی ہوئی تھیں۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر آپ توحید کی تعلیم ترک نہ کریں گے تو میں اپنے بیٹوں سے کہہ کر آپ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دلوا دوں گا مگر آپ نے پرواہ نہ کی۔ اور اس بدبخت نے اپنے بیٹوں سے کہہ کر آپ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دلوا دی۔ اوپر کی مثالوں کے علاوہ مکہ میں آپ پر غلاظت ڈالی جاتی، منہ پر تھوکا جاتا، تھپڑ مارے جاتے آپ کے گلے میں پٹکا ڈال کر کھینچا جاتا اور ہر طرح ہتک کرنے کی کوشش کی جاتی۔ مگر آپ یہ سب باتیں برداشت کرتے کہ خدا تعالیٰ کے نام کی عزت ہو۔ آپ مکہ میں صادق اور امین کہلاتے تھے۔ اپنی قوم کی ترقی کا بیڑا اٹھانے کے بعد آپ کا نام کاذب اور جاہ طلب رکھا گیا۔ پہلی عزت سب مٹ گئی۔ پہلا ادب نفرت اور حقارت سے بدل گیا۔ مگر آپ نے یہ سب کچھ برداشت کیا تاکہ دنیا میں نیکی اور تقویٰ قائم ہو اور دنیا جہالت اور توہم پرستی سے آزاد ہو۔

وطن کی قربانی

وطن ہر ایک کے لئے ایک عزیز چیز ہوتی ہے۔ لوگ اس کے لئے اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کو بھی اپنا وطن عزیز تھا اور آپ اسے چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ مگر آپ نے خدا کے لئے اس کی بھی قربانی کی۔ آپ کو وطن سے جو محبت تھی اس کا پتہ اس سے ملتا ہے کہ جب آپ وطن چھوڑنے لگے تو آپ کو اس کا بہت صدمہ ہوا اور آپ نے دردناک الفاظ میں مکہ کی طرف دیکھ کر اسے مخاطب کر کے کہا کہ اے مکہ مجھے تو بہت ہی پیارا ہے۔ مگر افسوس کہ تیرے رہنے والے مجھے یہاں نہیں رہنے دیتے۔ یہ تو وطن کی وہ قربانی تھی جو آپ نے مجبوری کی حالت میں کی۔ مگر اس کے بعد آپ نے وطن کی ایسی

شاندار قربانی کی کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ مکہ سے نکالے جانے کے آٹھ سال بعد آپ پھر مکہ کی طرف واپس آئے اور اس دفعہ آپ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا۔ مکہ کے لوگ آپ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور مکہ آپ کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ اور آپ اسی مکہ میں جس میں سے صرف ایک ہمراہی کے ساتھ آپ کو افسردگی سے نکلنا پڑا تھا' ایک فاتح جرنیل کی صورت میں داخل ہوئے۔ وہ لوگ جو آپ کو نکالنے والے تھے یا مارے جاچکے تھے یا اطاعت قبول کر چکے تھے اور مکہ آپ کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے ایک مضطرب ماں کی طرح تڑپ رہا تھا۔ لیکن باوجود اس کے کہ آپ کو اس شہر سے بہت محبت تھی اور وہاں خانہ کعبہ تھا' آپ نے اسلام کی خاطر اور اس قوم کی خاطر جس نے تکلیف کے وقت آپ کو جگہ دی تھی' اور اس کا دل رکھنے کے لئے مکہ کی رہائش کا خیال نہ کیا اور واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ یہ آپ کی وطن کی دوسری قربانی تھی۔

آرام کی قربانی

آپ نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور ساری عمر اٹھائیں۔ مکہ میں تو کفار دکھ دیتے ہی رہے مگر مدینہ میں بھی منافقوں نے آرام نہ لینے دیا۔ علاوہ ازیں آپ سارا سارا دن اور آدھی آدھی رات تک کام میں لگے رہتے تھے۔ راتوں کو اٹھ کر عبادت کرتے۔ اس طرح آپ نے اپنی آسائش اور آرام کو قربان کر دیا۔ آپ نے نہ اچھے کپڑے پہنے اور نہ اچھے کھانے کھائے۔ عورتوں نے مال کا مطالبہ کیا تو انہیں جواب دیا میری زندگی میں تو تمہیں مال نہیں مل سکتا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو آرام کی قربانی سے تعلق رکھتی ہیں۔

رشتہ داروں کی قربانی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح رشتہ داروں کی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ اس کی مثال کے طور پر ایک تو اس واقعہ کو پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت نے چوری کی۔ وہ ایک بڑے خاندان سے تھی۔ لوگوں نے اس کی سفارش کی۔ آپ اس پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ انصاف اور عدل کی خاطر میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اگر فاطمہ میری بیٹی سے بھی ایسا فعل سرزد ہو تو اسے بھی سزا دی جائے گی۔ یہ واقعہ تو آپ کے قلبی خیالات پر دلالت کرتا ہے۔ مگر عملی ثبوت بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ باوجود اس کے کہ صحابہ آپ کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کے لئے تیار تھے۔ آپ خطرناک سے خطرناک مقامات پر اپنے رشتہ داروں کو بھیجتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو ہر میدان میں آگے رکھتے' اسی طرح حضرت حمزہؓ کو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائیوں میں آپ کے عزیز رشتہ

دار مارے گئے۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ اُحد کی لڑائی میں حضرت جعفرؓ شام کے سریّہ میں مارے گئے۔ اول الذکر آپ کے چچا اور ثانی الذکر آپ کے چچازاد بھائی تھے۔

جان کی قربانی

جان کی قربانی بھی بہت بڑی قربانی ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ غلطی سے صرف اسی قربانی کو قربانی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ آپ نے اس قربانی کو بھی خدا تعالیٰ اور بنی نوع انسان کے لئے پیش کیا۔ اشاعت حق کے لئے ہر خطرہ کو برداشت کیا۔ چنانچہ مکہ میں آپ پر اشاعت توحید کی وجہ سے مکہ والوں نے سخت سے سخت ظلم کیا اور آپ کے مارنے پر انعامات مقرر کئے۔ مگر آپ نے ذرہ بھر بھی اپنی جان کی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ جان کے خطرے سے استغناء کیا۔ چنانچہ آپ بے دھڑک ہو کر سخت سے سخت دشمنوں کے پاس تبلیغ کے لئے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ تن تنہا طائف تبلیغ کے لئے چلے گئے۔ حالانکہ طائف ان لوگوں کے اثر کے نیچے تھا جو آپ کے سخت دشمن تھے۔ وہاں جاکر تبلیغ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے رؤسا نے آپ کے پیچھے لڑکوں اور کتّوں کو لگا دیا۔ جو آپ پر پتھر پھینکتے تھے اور آپ کو کاٹتے تھے۔ وہ کئی میل تک آپ کا تعاقب کرتے آئے اور آپ پر اس قدر پتھر پڑے کہ آپ کا سب جسم لہولہان ہو گیا اور جوتیوں میں خون بھر گیا۔ آپ بعض دفعہ زخموں کی تکلیف اور خون کے بہنے کی وجہ سے گر جاتے تھے۔ تو وہ کم بخت آپ کے بازو پکڑ کر آپ کو کھڑا کر دیتے تھے اور پھر مارنے لگتے۔

اسی طرح ایک دفعہ رات کے وقت شور پڑا اور سمجھا گیا کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ صحابہ اس شور کو سن کر گھروں سے نکل کر ایک جگہ جمع ہونے لگے کہ تا تحقیق کریں کہ شور کیسا ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھوڑے پر چڑھے ہوئے جنگل سے واپس آ رہے ہیں اور معلوم ہوا کہ آپ تن تنہا شور کی وجہ دریافت کرنے کے لئے چلے گئے تھے' تا ایسا نہ ہو کہ دشمن اچانک مدینہ پر حملہ کر دے۔

ایک اور مثال جان کی قربانی کی غزوہ حنین کا واقع ہے۔ غزوہ حنین میں بہت سے ایسے لوگ شامل تھے جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ فتح مکہ کے بعد قومی جوش کی وجہ سے شامل ہو گئے تھے۔ ہوازن کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر وہ لوگ پسپا ہو گئے اور ان کے بھاگنے سے صحابہ کی سواریاں بھی بھاگ پڑیں اور چار ہزار دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بارہ صحابی رہ گئے۔ اس وقت چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ اور وہاں کھڑے

رہنے والوں کے مارے جانے کا سو فیصدی احتمال تھا۔ صحابہ نے چاہا کہ رسول کریم ﷺ کو واپس لوٹائیں اور حضرت ابو بکر اور حضرت عباس نے گھوڑے کی باگ پکڑ کر واپس کرنا چاہا۔ مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ باگ چھوڑ دو اور بجائے پیچھے ہٹنے کے آگے بڑھ گئے اور فرمایا۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ میں خدا کا نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ یعنی اس صورت میں مَیں اپنی جان کی کیا پرواہ کر سکتا ہوں۔

اُحد کی جنگ میں ایک بہت بڑا دشمن آپ پر حملہ کرنے کے لئے آیا۔ چونکہ وہ تجربہ کار جرنیل تھا۔ صحابہ نے اسے روکنا چاہا۔ مگر آپ نے فرمایا آنے دو۔ وہ مجھ پر حملہ آور ہوا ہے میں ہی اس کا جواب دوں گا۔

جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تھے تو علاوہ جنگوں کے خفیہ حملے بھی آپ کی جان پر ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مکہ سے ایک شخص کو لالچ دے کر بھیجا گیا کہ آپ کو خفیہ طور پر مار آئے یہ شخص اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوا اور گرفتار کر لیا گیا۔

یہود بھی آپ کے قتل کے درپے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کو اپنے محلّہ میں بلا کر سر پر پتھر پھینکنا چاہا مگر آپ کو معلوم ہو گیا اور آپ واپس تشریف لے آئے۔

ایک دفعہ ایک یہودی عورت نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ نے ایک ہی لقمہ کھایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو حقیقت پر آگاہ کر دیا۔

تبوک کی جنگ سے واپسی کے وقت چند منافق آگے بڑھ کر راستہ میں چھپ گئے اور آپ پر اندھیرے میں قاتلانہ وار کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع کر دیا۔ آپ نے ان لوگوں کو بھی چھوڑ دیا۔

غرض آپ پر بڑے بڑے خطرناک حملے کئے گئے۔ اور تیئس سال کے لمبے عرصہ میں ہر روز گویا آپ کو قتل کرنے کی تجویز کی گئی اور صرف اس وجہ سے کہ آپ توحید کا وعظ کیوں کرتے تھے اور کیوں نیکی اور تقویٰ کی طرف بلاتے تھے۔ مگر آپ نے اپنی جان کو روز کھو کر صداقت کا وعظ کیا اور سچائی کو قائم کیا۔ تعجب ہے کہ لوگ ان لوگوں کو تو قربانی کرنے والے سمجھتے ہیں جنہیں ایک موقع جان دینے کا آیا اور ان کی جان چلی گئی۔ مگر اس کی قربانی کا اقرار کرنے سے رکتے ہیں جس نے ہر روز سچائی کے لئے اپنی جان کو پیش کیا۔ گو یہ اور بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے اس کی جان کو محفوظ رکھا۔ قربانی تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے

کا نام ہے۔ آگے ہلاکت نہ آئے تو اس میں اس شخص کا کیا قصور ہے جو ہر وقت اپنی جان کو قربانی کے لئے پیش کرتا رہتا ہے۔

آئندہ نسل کی قربانی

رسول کریم ﷺ نے دنیا کی ترقی کے لئے اپنی ہی قربانی نہیں کی۔ بلکہ اپنی آئندہ نسل کی بھی قربانی کی ہے اور یہ قربانی نہایت عظیم الشان قربانی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ بڑی بڑی قربانیاں کر دیتے ہیں۔ لیکن ان قربانیوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کی اولاد کو فائدہ پہنچ جائے۔ پس اولاد کی قربانی اکثر اوقات اپنی قربانی سے بھی شاندار ہوتی ہے۔ آپ نے اس قربانی کا بھی نہایت شاندار نمونہ دکھایا ہے۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا ہے کہ صدقات کا مال میری اولاد کے لئے منع ہے۔ رسول کریم ﷺ جیسا دانا انسان اس امر کو خوب سمجھ سکتا تھا کہ زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ میری اولاد پر بھی ایسا وقت آسکتا ہے اور آئے گا کہ وہ لوگوں کی امداد کی محتاج ہوگی۔ لیکن باوجود اس کے آپ نے فرمادیا کہ میری اولاد کے لئے صدقہ منع ہے۔ گویا ایک ہی رستہ جو غرباء کی ترقی کے لئے کھلا ہے اسے اپنی اولاد کے لئے بند کر دیا اور اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے خیال فرمایا کہ اگر صدقہ میری اولاد کے لئے کھلا رہا تو اسرائیلی نبیوں کی اولاد کی طرح میری امت کے لوگ بھی میرے تعلق کی وجہ سے صدقہ میری اولاد کو ہی زیادہ تر دیں گے۔ اور مسلمانوں کے دوسرے غرباء تکلیف اٹھائیں گے۔ پس آپ نے دوسرے مسلمان غرباء کو تکلیف سے بچانے کے لئے اپنی اولاد کو صدقہ سے محروم کر دیا اور گویا دوسرے مسلمانوں کی خاطر اپنی اولاد کو قربان کر دیا۔ یہ کس قدر قربانی ہے اور کیسی شاندار قربانی ہے۔ اگر مسلمان اس قربانی کی حقیقت کو سمجھیں تو سادات کو کبھی تنگ دست نہ رہنے دیں کیونکہ اس طرح رسول کریم ﷺ نے دوسرے مسلمانوں کی خاطر اپنی اولاد کو قربان کیا ہے۔ مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ اس قربانی کے مقابلہ میں ایک شاندار قربانی کریں اور جس دروازہ کو صدقہ کی شکل میں بند کیا گیا ہے اسے ہدیہ کی شکل میں کھول دیں۔

غرض محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے لئے ہر رنگ میں ایسی قربانیاں کیں جس کی نظیر کسی جگہ نہیں مل سکتی۔ آپ دنیا میں خالی ہاتھ آئے۔ باوجود بادشاہ ہونے کے خالی ہاتھ رہے اور خالی ہاتھ چلے گئے۔ زندگی میں تو دیتے ہی رہے۔ وفات پانے کے بعد بھی سب کچھ لوگوں کو دے گئے۔ یعنی آپ کے بعد دوسرے لوگ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ **اَللّٰھُمَّ**

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی خُلَفَاءِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

نصیحت یہ وہ وجود ہے جسے آج دنیا بُرا بھلا کہتی ہے اور جس کے روشن وجود کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ تمام مذاہب کے سنجیدہ اور شریف آدمی آنحضرت ﷺ کے احسانات اور قربانیوں اور پاکبازیوں کا علم حاصل کرکے آپ کا ادب کرنا سیکھیں گے اور آپ کو بنی نوع انسان کا محسن سمجھ کر آپ کو اپنا ہی سمجھیں گے جس طرح کہ وہ اپنے قومی نبیوں کو سمجھتے ہیں اور مسلمان آپ کی زندگی کے حالات معلوم کرکے آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے اور اس عظیم الشان نعمت کی جو خدا تعالیٰ نے انہیں دی ہے ناشکری نہیں کریں گے اور دین کی طرف سے بے توجّہی کی بجائے دین کے احکام پر عمل کرنے کی اور عیش و عشرت کی بجائے قربانی اور دنیا کے لئے مفید بننے کی پوری کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس امر کی توفیق دے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

---

[۱] الانعام: ۱۶۳، ۱۶۴

[۲] نائیڈو سروجنی (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۹ء) شاعرہ اور سیاستدان۔ حیدر آباد دکن میں بارہ سال کی عمر میں میٹرک کیا۔ بعد میں کیمبرج میں تعلیم پائی۔ بچپن سے انگریزی میں نظمیں لکھنی شروع کیں۔ ہندوستانی موضوعات پر رومانی اسلوب میں انگریزی نظمیں لکھ کر انگریزی ادب میں نمایاں شاعرہ کا لوہا منوالیا۔ اس کی شاعری میں جذبے اور فکر کا امتزاج ہے۔ ایک دفعہ اس کی نظمیں انگلستان میں گیتوں کی طرح مقبول ہوئیں۔ ہندوستان کی جدّوجہد آزادی میں قومی خدمتگار کی حیثیت سے مشہور تھی۔ مہاتما گاندھی کے ساتھ عدم تعاون کی تحریک سے وابستہ ہوئی اور ملک کی سیاست سے گہرا تعلق قائم کیا۔ کئی دفعہ قید ہوئی۔ کانپور میں نیشنل کانگریس کے اجلاس منعقدہ ۱۹۲۵ء کی صدر منتخب ہوئی۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اترپردیش کی گورنر مقرر ہوئی۔ اس کی بیٹی بدماجا نائیڈو مغربی بنگال کی گورنر رہی۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۷۰۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

[۳] یونس: ۱۷ [۴] الانعام: ۳۴

[۵، ۶] بخاری باب کیف کان بدء الوحی

ے بخاری باب کیف کان بدء الوحی
۸ے سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ۱ صفحہ ۸۶ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۹ے سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ
۱۰ے مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۲۵ مطبوعہ بیروت ۱۳۹۸ھ میں یہ الفاظ ملتے ہیں "کنت شریکی فکنت خیر شریک کنت لا تداری ولا تماری"
۱۱ے مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۱ مطبع میمنہ مصر ۱۳۱۳ھ
۱۲ے تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۵۱ مطبع محمدی لاہور + تاریخ الکامل لابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹
۱۳ے بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ
۱۴ے بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ احد + سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ مطبع مکتبہ فاروقیہ ملتان ۱۹۷۷ء
۱۵ے آتش پرستوں کا ملا۔ حکیم۔ فلاسفر۔ دانشمند (علمی اردو لغت صفحہ ۱۴۴۹ مطبوعہ علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۶ء)
۱۶ے
۱۷ے الاحزاب: ۲۹، ۳۰
۱۸ے عورتوں کو ورغلانے والی عورت۔ چالاک
۱۹ے بے حد۔ بری طرح۔ عجیب طور پر
۲۰ے ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی طالب العلم میں "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" کے الفاظ ہیں۔
۲۱ے طٰہٰ: ۱۱۵
۲۲ے الجامع الصغیر للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ مطبع خیریہ مصر ۱۳۲۱ھ
۲۳ے یوسف: ۸۸ ۲۴ے العنکبوت: ۷۰
۲۵ے
۲۶ے الحجرات: ۱۴
۲۷ے بخاری کتاب الاکراہ باب یمین الرجل لصاحبہ

۲۸؎ فاطر:۲۵ ۲۹؎ الانعام:۱۰۹ ۳۰؎ البقرة:۱۱۴

۳۱؎ البقرة:۱۹۳ ۳۲؎ البقرة:۱۹۴ ۳۳؎ البقرة:۲۵۷

۳۴؎ الکٰفرون:۷ ۳۵؎ البقرة:۲۲۹ ۳۶؎ الفتح:۲۴

۳۷؎ البقرة:۱۵۶، ۱۵۷

۳۸؎ بخاری کتاب الفرائض باب قول النبی ﷺ لانورث وما ترکناه صدقة

۳۹؎ بخاری کتاب الصلح باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان ابن فلان و فلان ابن فلان و ان لم ینسبه الی قبیلته او نسبه

۴۰؎ بخاری کتاب المغازی باب قول الله ویوم حنین .... الخ